آنکھوں کے پار چاند

عشنا کوثر سردار

آنکھوں کے پار چاند

زندگی
دھوبن چڑیا ہے
اجلے پروں کا لباس
پاؤں جوتوں سے بے نیاز
آنکھوں میں بھوری نیلی آس
زبان پر سمندر کی پیاس
مگر میں نے
ہمیشہ اسے اپنی قبر پر بیٹھے دیکھا ہے!

وہ کم صم بیٹھی ہمیشہ دھند لکے راستوں کو تکتی رہتی' کبھی دیوانی بدلیوں کی اوٹ میں چھ[illegible] شریر چاند کو دیکھے جاتی' کبھی جو نگاہ اٹھاتی تو تاروں کی کہکشاؤں کو آنکھوں میں سموئے جا[illegible] اور کبھی سرد ہواؤں میں سرمستی سے جھومے جاتی' کبھی تتلیوں کے پیچھے دوڑتی' جگنوؤں کو آ[illegible] میں باندھتی' غروب ہوتے ہوئے سورج کے رنگ اسے بے پناہ بھاتے۔

کبھی یونہی بے نشان راستوں پر نکل کھڑی ہوتی' اور کبھی یونہی خشک پتوں کو گر[illegible] ہوئے دلچسپی سے دیکھے جاتی۔ اسے بہار سے زیادہ خزاں اچھی لگا کرتی تھی۔ فضاؤں میں [illegible] اور گہری چپ اسے بے حد متاثر کرتی۔ زرد گرتے ہوئے پتوں میں اسے نغمگی لگتی' سا[illegible] سے اسے عشق تھا' لہروں کے سنگ سنگ چلنا' اور جھومنا اس کا اوّلین شوق تھا۔

اب بھی اور اپنے ہی خیالوں میں کھوئی سی کھڑی تھی' کہ اندر سے بواجی نے پکار لیا۔

"پوجا چندا! وہاں کہاں کھڑی ہو؟ دیکھو کس قدر ٹھنڈ ہے' بیمار پڑ جاؤ گی۔ اندر آ جاؤ۔"

وہ بہت انہماک سے چاند کو بادلوں کے ساتھ اٹکھیلیاں کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ آواز پر یکدم ہی مڑ کر دیکھنے لگی۔

"پوجا! او پوجا!" بابوجی کی تیز آواز اس کے کان سے ٹکرائی' اور اس کا انہماک و توجہ یکدم ہی ختم ہو گئے۔ وہ تیزی سے پلٹی' اور لمبے لمبے ڈگ بھرتی ہوئی ہال کمرے میں آ گئی۔ بواجی کھانا لگا رہی تھی۔ وہ ہاتھ دھو کر ٹیبل پر آن بیٹھی۔

"کہاں تھی تم؟" بابوجی نے کڑک لہجے میں پوچھا۔ وہ نظریں اٹھا کر نہ دیکھ سکی' دل کی دھڑکنیں یک دم تھمنے لگیں' ہاتھ سرد ہو کر پسینے سے بھیگ گئے۔

"کتنی بار کہا ہے' اپنی بواجی کے ساتھ گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹایا کرو۔ گھر داری سیکھو' اپنی بیمار ماں کا خیال رکھا کرو۔ اب تم چھوٹی بچی نہیں رہیں۔ زیادہ دیر بالکونی میں مت کھڑی رہا کرو۔" بابوجی نے کہہ کر کھانا شروع کیا۔ وہ یونہی ساکت بیٹھی رہی۔ بواجی' ماں جی کو کھانا دینے کے بعد وہاں آئیں' تو اسے اسی طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا دیکھ کر ڈپٹتے ہوئے بولیں۔

"پوجا! کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" اور تب وہ بڑبڑا کر یکدم بے دلی کے ساتھ لقمے زہر مار کرنے لگی۔ پوجا' انڈین ہندو گھرانے کا فرد تھی' لیکن نہ جانے کیا بات تھی' کہ اس کی دوستی کسی ہندو گھرانے سے نہیں تھی' بلکہ ایک مسلم گھرانے میں اس کی دوستی تھی۔ جہاں وہ آتی جاتی رہتی تھی۔ ان کے اطوار' رہائش' عبادتیں' محبتیں بہت پسند تھیں۔ وہ بچپن سے ہی اس گھرانے سے بہت متاثر تھی۔ ماہا اسی مسلم گھرانے کی فرد تھی' پوجا کی اور اس کی دوستی بچپن سے چلی آ رہی تھی۔ حتیٰ کہ اسی دوستی کے سائے میں پل کر دونوں جوان ہو گئیں۔

پوجا ایک اداس' بے چین اور دل شکستہ لڑکی تھی۔ یہ شکستگی اسے اپنے ماحول سے ملی تھی۔ اس کا باپ بہت ظالم تھا' اور اس کی ماں پر بہت ستم ڈھاتا تھا۔ اپنی ماں کی حالت پر پوجا کڑھتی رہتی تھی' مگر باپ سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ پوجا کی کنواری پھوپی بھی ان کے ساتھ ہی رہا کرتی تھی' جسے پوجا' بواجی کہتی' وہ پوجا کا بہت خیال رکھتی تھی۔ پوجا حد سے زیادہ حساس ہو گئی تھی۔

وہ جھلستی ہوئی' زرد دوپہر میں اب بارہا اسے ماں جی کی سسکیاں ان دوپہروں کا بین معلوم ہوتی تھیں۔ ویران سرد شاموں میں اسے بواجی کے خواب خون رنگ ہوتے نظر آتے تھے اور جب دور آکاش میں زمین کی آخری حد میں سورج گم ہو رہا ہوتا' تو اس کے گرد پھیلے گہرے سائے اسے اپنا منتشر روپ لگتے۔ سنسان ویران راتوں میں بواجی کے کنوارے ارمانوں کے بین وہ صاف سنتی۔ ان کی خاموش' سرد آنکھوں کے سوال اس کے سامنے یکدم چیخ پڑتے۔

گرتے پتوں کی صدا کے ساتھ اسے ماں جی کی ڈوبتی ابھرتی دھڑکنوں کو صدا سنائی دیتی' اور یکدم وہ خود سے کہیں کھو جاتی۔ اسے ہوش ہی نہ رہتا' اور وہ خود کو دیکھنے' خود کو ڈھونڈنے ان آوازوں کے تعاقب میں بہت دور تک نکل جاتی۔ کبھی ستاروں میں خود کو کھوجتی تو کبھی چاند میں اپنا آپ تلاش کرتی' مگر وہ خود کو کہیں نظر نہ آتی۔ کہیں نہ ملتی' نہ ویران سرد ہواؤں میں' نہ بادلوں' نہ گھٹاؤں میں' نہ ٹوٹتے تاروں' نہ دھندلے ویران رستوں پر۔

وہ ہر جگہ جاتی۔ ماں جی کی سسکیوں کو سنتی' اور بھاگتی چلی جاتی' بواجی کے خوابوں کے بین اسے سرپٹ دوڑائے چلے جاتے۔

اور پھر یکدم بابو جی کی کھردری آواز اسے واپس کھینچ کر اسی ماحول میں واپس لا پٹختی' اور تب وہ بے حد چونک کر اپنے اردگرد کے ماحول کو دیکھتی' خود کو دیکھتی' اور پھر بے دلی کے ساتھ آواز کے تعاقب میں قدم اٹھاتی ہوئی اپنے اصل مقام پر آن موجود ہوتی۔

اس نے بارہا یہ جاننے کی کوشش کی تھی' کہ وہ کیا چاہتی ہے؟ خود سے' اس زندگی سے مگر خود سے اسے کبھی کوئی جواب نہیں ملا تھا' اور اگر خود سے جواب مل بھی جاتا' تو کیا تھا۔ اس کی زندگی' اس کی اپنی کب تھی' اس کے باپ تابع تھی۔ وہ تو ایک بے جان گڑیا تھی' ویسی بے جان گڑیا' جس کے ساتھ وہ بچپن میں کھیلا کرتی تھی۔ اس کے کپڑے سیتی تھی' اس کے استعمال کا سامان تیار کرتی تھی' اس کا کمرا' اس کا بیڈ' اس کا آئینہ' اس کی کنگھی حتیٰ کہ اس کی شادی کا جہیز تک اکٹھا کر ڈالتی' مگر پھر جب جی بھر جاتا تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ' پھینک پھانک کر اٹھ کھڑی ہوتی تھی' اور تب وہ نازک سی گڑیا۔ ایک کونے میں پڑی اپنی بے وقعتی کو دیکھ رہتی۔

آج اسے اپنا وجود بھی اسی بے جان گڑیا کا سا لگتا۔ بے حد حسین' کانچ سے بھی نازک

کانچ گڑیا۔

بابو جی جب بے حد ترنگ میں ہوتے تو اسے گڑیا کہہ کر ہی مخاطب کرتے' اور تب جانے کیوں اس کے ذہن میں اسی ایک نام کی بازگشت ہوتی چلی جاتی۔ گڑیا......گڑیا...... گڑیا......گڑیا......گڑیا......اور کبھی کبھی تو واقعی اسے اپنا وجود ایک ''گڑیا'' ہی لگتا۔ بے جان' نازک' بے وقعت' بے قیمت' بے اختیار' جس کی ڈوری کسی کے ہاتھ میں ہو' اور وہ ہاتھ جب چاہے اسے متحرک کر کے خط اٹھالے۔ محظوظ ہولے' اور جب دل نہ چاہے اٹھا کر ایک کونے میں ڈال دے۔

اس کی عمر کوئی اتنی بڑی نہیں تھی۔ اس کی عمر کی لڑکیوں کی دلچسپیاں کچھ اور ہی ہوا کرتی ہیں' مگر وہ سب سے الگ تھلگ ایک کونے میں دبکی جانے کیوں خود سے اور اپنی لامتناہی سوچوں سے الجھتی رہتی۔

ایک اس کے پڑوس میں رہنے والی ماہا ہی ایسی تھی' جو اس کی اچھی سنگی ثابت ہوئی تھی۔ وہ ہر روز بڑی باقاعدگی سے اس کے پاس آتی' اس سے باتیں کرتی' اس کی سوچوں کو پڑھتی' خیالوں میں اترنے کی کوشش کرتی' مگر وہ اور بھی خود میں سمٹنے لگتی۔

''یار! مجھے اپنی اچھی دوست سمجھو۔ جو دل میں ہے' مجھ سے شیئر کرو۔ جو سوچیں تمہیں پریشان کرتی ہیں' انہیں میرے ساتھ بانٹو۔ دوستی ایک مقدس رشتہ ہے۔ میں کبھی بھی اس مقدس رشتے کی بے حرمتی نہیں کروں گی۔'' ماہا نے اس کی خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔

''دوستی؟'' وہ یکدم چونک کر اسے حیرت سے دیکھنے لگتی۔

''ہاں دوستی' میں تمہاری بچپن کی دوست ہوں۔'' ماہا خاموشی کے ساتھ اس کی بھوری آنکھوں میں جھانکنے لگتی۔

''ہاں! تم ہی تو ہو' جسے دیکھ کر جینے کو جی چاہتا ہے۔'' تب وہ بے حد معصومیت سے مسکرا کر اسے دیکھتی' تو وہ بے ساختہ اس کی بھوری گہری ساکت آنکھوں کی ویرانی کو دیکھے جاتی۔

''پوجا! تو اپنی عمر سے پہلے بڑی ہو رہی ہے۔'' اس کے لہجے میں افسوس ہوتا۔

''میں بڑی ہو چکی ہوں۔'' وہ بے پروائی سے اپنی سیاہ کاکلوں سے کھیلنے لگتی۔

''اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔ ایک مفکر نے کہا ہے۔'' اپنی عمر کے خول سے قبل از وقت

نکل کے جینے والے کبھی زیادہ دیر تک نہیں جی سکتے۔ ان کی زندگی کی مدت کم' دشوار اور بے ثبات ہوتی ہے۔'' ماہا نے مفکرانہ انداز میں کہا۔

''زندگی کا نام ہی بے ثباتی ہے۔''

''تجھے احساس نہیں تو شعور کے جس راستے پر قدم بڑھا رہی ہو' وہ تجھے' تجھ سے چھین لے گا۔ تجھے بے رنگ اور ویران کر ڈالے گا۔''

''پھر کیا ہوگا؟'' اس نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں گہرے سمندر ڈو رہے تھے۔ تب ماہا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''پوجا! بولا کرو' ہنسا کرو' رنگوں سے' تتلیوں سے پیار کیا کرو۔''

''رنگ تو ناپائیدار ہوتے ہیں' ان کے تعاقب میں کہاں تک بھاگوں' تتلیوں کے پر پر کیسے کہانیاں لکھوں' کیسے چھوؤں اس کے زرم' کھلتے شوخ رنگوں کو کیسے اسے مٹھی میں کروں' کوئی راستہ ہو بھی تو۔''

''پوجا! تو مر جائے گی۔''

''اب بھی کہاں زندہ ہوں۔''

''تم زندہ ہو۔ تم زندہ ہو۔ کیوں بے حس ہو رہی ہو۔ ایک زندہ لاش میں تبدیل ہو ہو' ایک سرد وجود بن رہی ہو' زندگی کو گزارو زندگی کی طرح۔''

''مجھے جینا نہیں آتا۔''

''پھر مر جاؤ۔'' وہ اکتا کر کہتی۔

''مر بھی نہیں سکتی۔'' اس کی آواز میں بے انتہا بے بسی ہوتی۔

''گھر میں پڑی رہو گی' تو ایسی خرافات تو جنم لیں گی۔ باہر نکلو' ایڈمیشن لے لو کسی سے کالج میں۔''

''بابو جی کو جیسے تم جانتی نہیں۔'' اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ آن ٹھہری۔

''بابو جی۔ ہونہہ۔ کیسے آدمی ہیں وہ۔ خود تو جی بھر کر زندگی کے مزے لوٹ رہے اور پابندیاں لگا رکھی ہیں ایک معصوم سی جان پر۔''

''پلیز' ان کے بارے میں کچھ مت کہو۔''

''ہاں فرشتہ ہیں نا وہ تو۔'' ماہا نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دریافت کیا' سر جھکا گئی۔

''وہ حق بجانب ہیں۔''

''کس لئے؟ تمہاری ماں جی انہیں ایک عدد وارث نہیں دے سکیں اس لیے؟ انہیں حق ہے توڑیں' پھوڑیں' بے جان کھلونوں کی طرح سمجھیں' احساسات کی بنا پروا کئے انہیں لتاڑ ڈالیں۔ صرف اس لیے کہ وہ ایک مرد ہیں' اور تم کمزور عورتیں' خود کہو کیا خطا تھی بوا جی کی؟ کیوں انہوں نے ان کے حسین رنگوں سے سجے دن اس کال کوٹھڑی میں دفن کر دیئے؟ کیوں ان کو ایک زندہ لاش بنا ڈالا؟ اور تمہاری ماں جی اگر آج وہ موت اور زندگی کے درمیان ایک ناکارہ وجود بن کر جی رہی ہیں' تو یہ سراسر تمہارے بابو جی کا کمال ہے۔''

''پلیز ماہا۔'' اس نے گھبرا کر کانوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی سماعتیں بند کرنا چاہیں' اور تب ماہا اسے اسی حالت میں چھوڑ کر باہر نکل گئی۔

✦◈✖

ایمرسن کہتا ہے کہ ''انسان جو کچھ سوچتا ہے وہی بنتا ہے۔'' مگر وہ کبھی اپنی سوچوں میں خود کو نہ تلاش کر سکی۔ سوچوں کی حقیقت بننے کی بات تو بہت دور کی تھی' بہرحال اس نے خود کو کھوجنا اور سوچنا پھر بھی ترک نہیں کیا تھا۔

وہ ان دنوں جینے اور زندگی کا ڈھنگ سیکھ رہی تھی' جب پھر ماہا آ گئی۔

''ہم بنگلور جا رہے ہیں ماریہ آپی کی سسرال میں ان کے دیور کی شادی ہے۔ چلو گی۔ تمہاری تفریح بھی ہو جائے گی' اور بنگلور میں گھومنے کا بھی موقع مل جائے گا۔''

''بنگلور' ہونہہ۔ یہاں ابھی بمبئی ہی ٹھیک سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا' اور تم چاند پر جانے کی بات کر رہی ہو۔'' وہ تلخی سے ہنس پڑی۔

''چاند نہیں بنگلور کہہ رہی ہوں پاگل۔''

''ہمارے لیے بنگلور جانا چاند پر جانے کے ہی مترادف ہے۔''

''تمہاری مرضی۔''

ماہا چلی گئی' اور پھر کئی دن تک نہ آئی۔ یقیناً وہ بنگلور جا چکی تھی۔

وہ خود سے الجھتے الجھتے تھک سی گئی تھی' تبھی اس دن بوا جی سے اپنی تعلیم کی بات کہہ ڈالی۔

"بھائی جی نہیں مانیں گے۔"

"تبھی تو ان سے نہیں کہہ رہی۔ آپ سے بات کر رہی ہوں۔"

"مگر میں تیرے لیے کیا کر سکتی ہوں؟" ان کی آواز میں اتنی بے چارگی تھی کہ وہ یکدم ان کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

"ہم کب تک یونہی گھٹ گھٹ کر جیتے رہیں گے بوا جی! کب تک؟"

"ہمارا نصیب یہی ہے میری جان!" انہوں نے اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔

"بابو جی ایسا کیوں کر رہے ہیں؟"

"وہ مرد ہیں۔ بااختیار ہیں۔"

"ہم بے اختیار کیوں ہیں؟ ہم بھی تو انسان ہیں۔"

"ہم عورتیں ہیں۔ جنہیں سدا ظلم کی بے رحم چکی میں پسنا پڑتا ہے۔ بے رحم ہواؤں کے تھپیڑوں میں جینا پڑتا ہے۔ مردوں کے معاشرے میں ہماری کوئی حیثیت، کوئی وقعت نہیں کوئی مرضی کوئی خواہش نہیں۔ ہم ایسی دھرتی ہیں، جن پر یہ اپنی انا کا پرچم لگا کر غاصبانہ قبضہ کرتے ہیں، اور خود کو، اپنی مردہ انا کو تسکین دیتے ہیں۔ بے وقعت دھرتی کے سینے پر پاؤں دھر کے فخر سے سینہ تان کر چلنے والے یہ بھول جاتے ہیں، کہ یہ دھرتی بھی جاندار ہے احساس رکھتی ہے۔ روندنے پر اسے بھی تکلیف ہوتی ہے، درد اٹھتا ہے۔"

"بوا جی! میں اس ماحول میں گھٹ کر مر جاؤں گی۔ میری روح انہی ویرانوں میں بھٹکتی رہے گی۔ شاید میں مر کر بھی آزاد نہیں ہوں گی۔ میری روح، جسم کو چھوڑ کر بھی قید رہے گی اس قفس میں، اس پنجرے میں۔" وہ ان کے گھٹنوں پر سر دھر کے رونے لگی۔

"جب باؤ جی دوسرا بیاہ رچا چکے ہیں، پھر کیوں ہمیں ہمارے حال پر نہیں چھوڑ دیتے کیوں ہمیں تڑپا تڑپا کر مار رہے ہیں۔"

وہ باقاعدہ سسکیوں سے رونے لگی تھی۔

پھر جانے کب تک وہ خود کو کھوجنے میں بھٹکتی رہتی، کہ اچانک جیسے اس پر قسمت نے اپنے خوشیوں کے در وا کر دیئے۔

بابو جی نے اسے کالج جانے کی اجازت دے ڈالی۔ وہ تو یہ سن کر ساکت سی رہ گئی۔ کبھی کبھی بہت زیادہ خوشی بھی تو ساکت کر دیتی ہے نا۔ وہ بھی ایسی ہی حیران رہ گئی تھی۔

"بوا جی یہ سب کیسے ہوا۔ بابو جی کیسے مان گئے؟"

"بس بچی شاید بھگوان نے تیرے باپ کے دل میں دیا ڈال دی ہے۔" بوا جی نے تار پر کپڑے ڈالتے ہوئے کہا، اور تب وہ اطمینان کی ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی ماں جی کے کمرے میں آ گئی، مگر وہ دوائیوں کے زیر اثر سو رہی تھیں۔ نیند میں بھی ان کا چہرہ متفکر اور اداس تھا۔ ایک کرب، ایک اذیت اور گہرے دکھ کی کیفیت واضح انداز میں ان کے چہرے پر وہ محسوس کر رہی تھی۔ وہ دھیرے سے آگے بڑھی۔ ان کے ماتھے پر دھیرے سے بوسہ دیا، اور پھر ان پر کمبل ڈال کر باہر نکل آئی۔

اسی کی طرح ماہا نے بھی جب یہ خبر سنی، تو وہ حیران ہونے کے ساتھ ساتھ خوش بھی ہوئی۔

"میرا خیال ہے انہیں اپنے آخرت کی فکر ستانے لگی ہے۔" پھر وہ شوخی سے بولی، تو وہ بھی دھیمے میں مسکرا دی۔

پھر ماہا نے ہی اس کا ایڈمیشن اپنے کالج میں کروایا، اور وہ اس کے ساتھ روز کالج جانے لگی۔ ڈری سہمی سی۔ وہ خوفزدہ ہمیشہ اسی کے ساتھ چپکی رہتی۔ پتا نہیں کیوں۔ بابو جی کے سائے سے نکل کر بھی وہ خود کو آزاد محسوس نہیں کرتی تھی۔ اسے لگتا ان کی سرخ سرخ آنکھیں اس کے تعاقب میں ہوں۔ اسی پر ٹھہر گئی ہوں۔ ہر لمحہ اسے کھوج رہی ہوں۔ اس کی جانچ کر رہی ہوں، اور تب جانے کیوں اس کا دل تھمنے سا لگتا، ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ جاتیں۔ ماہا اس کے مقابلے میں بہت پر اعتماد اور بولڈ تھی، مگر وہ ذہین ہوتے ہوئے بھی ڈری سہمی اور خوفزدہ، بعض من چلے تو اسے دیکھ کر "خوفزدہ ہرنی" کا لقب بھی دے ڈالتے۔ کچھ شوخ دل "ماماز گرل" کہہ کر بھی خراج تحسین پیش کرتے کہ وہ ہر وقت ماما کا پلو جو تھامے رکھا کرتی تھی۔ کچھ فرماتے۔ "ارے اتنا ظلم، ابھی تو بے بی کے پالنے میں کھیلنے کودنے کے دن تھے اور....."

بہر حال کالج میں جہاں ہر طرح کے لوگ تھے۔ وہیں اسے ہر طرح کے ریمارکس بھی سننے کو ملتے، مگر وہ بنا سنے (بلکہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکالتی ہوئی) آگے بڑھتی چلی جاتی، کہ وہ یہاں ایسے لوگوں کے منہ لگنے نہیں آئی تھی، بلکہ وہ تو یہاں ایک اعلیٰ مقصد کے تحت آئی تھی، اور جس مشکل سے اسے یہ موقع میسر آیا تھا، یہ بھی وہ اچھی طرح جانتی تھی،

تبھی تو اسے گنوانا نہیں چاہتی تھی اور سب کی جانب سے کان بند کیے ہوئے فقط اپنی اسٹڈی میں مگن تھی۔

✦ ◈ ✖

موت ایک بہت بڑی اٹل حقیقت سہی' لیکن اس نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ موت ایک دن اس کے ہاتھوں سے سب کچھ چھین لے جائے گی' اور اسے تہی داماں کردے گی۔ وہ بھرے ہاتھوں تو کبھی نہ تھی' مگر ایک سکھ تو تھا کہ ماں کا سایہ ہے اس کے سر پر' ایک زندہ لاشے کی صورت ہی سہی' مگر وہ موجود تو تھیں' مگر رات اچانک جانے کیسے ان کی طبیعت بہت بگڑ گئی' اور وہ ڈاکٹر کی آمد سے قبل ہی دم توڑ گئیں۔ ایک ظلم و بربریت کی بے بس تصویر' بے جان بت بنی اس کے سامنے تھی' اور بواجی سمیت بابوجی ان کے سرہانے کھڑے آنسو بہا رہے تھے۔

آپ کو شاید اس لئے افسوس ہو رہا ہے کہ اب آپ کسے اپنا تختہ مشق بنائیں گے' اب کون آپ کے جبر و ظلم کو خاموشی سے برداشت کرے گا' کون لاتوں اور گھونسوں کی مار سہے گا' کون طنز میں ڈوبی برچھیاں اپنے سینے میں اتارے گا' اب کسے نشے میں دھت آپ اپنے مضبوط جوتوں سے ٹھوکریں ماریں گے؟

وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اس جانب دیکھتی رہی' لیکن نمی کا ایک بھی قطرہ اس کے رخسار پر نہیں گرایا' شاید اس کے تمام آنسو اس کے اندر ہی اندر گر رہے تھے۔

کاش جابر اور ظالم معاشرے کو بھی کہیں دفن کیا جا سکتا۔ ہمیشہ کے لیے۔

کاش ایک جابر کے مرنے کے بعد دوسرا ویسا ہی جنم نہ لے سکتا۔

ایک غاصب کی موت کے بعد دوسرا غاصب پیدا نہ ہوتا۔

مگر حالات کب اختیار میں رہے ہیں۔ سو بدستور دنیا کا نظام جاری و ساری رہتا ہے۔ ایک مرتا ہے دوجا اس کی جگہ لے لیتا ہے' وجود مرتے ہیں کردار نہیں۔ کردار نبھانے والے جگہ پُر کرنے میں دیر نہیں کرتے۔

بالکل ایسے ہی جیسے اب اس نے ماں جی کی جگہ لے لی تھی۔ ماں جی کے حصے کی سختیاں' جھڑکیاں صلواتیں اب وہی سنتی تھی۔ برداشت کرتی تھیں۔ کہیں کوئی در نہیں تھا' اس زنداں میں' کہیں کوئی دروازہ نہ تھا اس قفس میں۔

وہ کھل کر سانس لینا چاہتی تھی' مگر حبس اس قدر تھی کہ دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا تھا' مگر وہ

اسی ماحول میں قناعت کیے ہوئے تھی۔ کاش وہ مر سکتی' ماں جی کے ساتھ زندہ جل سکتی' مگر شاید اس کے اختیار میں کچھ بھی نہیں تھا۔ کبھی بھی نہیں' وہ تہی دست تھی' تہی داماں تھی' بے اختیار تھی بے بس تھی۔ وہ سامنے سے اٹھ کر بواجی کے پاس آ بیٹھی۔

بواجی بڑی خاموشی کے ساتھ صحن کے کھردرے فرش پر لکڑی کے بجھے کوئلے سے آڑی ترچھی لکیریں کھینچ رہی تھیں۔ (ان کی قسمت بھی تو انہی آڑی ترچھی لکیروں جیسی تھی۔)

''بواجی!'' اس نے دھیمے سے پکارا' پھر ان کے عین سامنے بیٹھ گئی۔ انہوں نے یکدم اپنا ہاتھ روک دیا۔ مگر سر اٹھا کر اسے دیکھا نہیں' اور تب وہ ان کے چہرے پر پھیلی سوچ کی لکیروں کو جیسے واضح انداز میں پڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔

''بواجی! گھر میں فقط ہم دو ہی تو وجود ہیں' کیا ضروری نہ ہوگا کہ ایک دوجے کو احساس دلانے کے لئے کہ ہم زندہ ہیں' کبھی کبھی بول لیا جائے۔''

بواجی نے اس کی سمت یکدم سر اٹھا کر دیکھا' پھر دھیمے انداز میں مسکرا دیں۔

''زندہ وجودوں کو اپنے ہونے کا احساس دلانے کے لیے ثبوت پیش کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔''

وہ کتنے ہی لمحے ساکت سی انہیں دیکھتی رہی' پھر سر جھکا گئی۔

''ہم اگر زندہ نہیں تو مر بھی کیوں نہیں جاتے؟''

''مرے ہوئے ہی تو ہیں۔''

''ہمارے ہاں یہ رواج ہے۔ ہم کسی کو کچھ بھی نہیں دیتے' بلکہ لے لیتے ہیں' چھین لیتے ہیں۔''

''بواجی! نہ زندگی ہے نہ موت ہے' کیا کریں ہم۔ کس طرح اپنے وجود میں قائم رہیں۔ نہ زمین پر ہیں نہ آسمان پر۔ کہیں خلا میں معلق ہو کر رہ گیا سارا وجود۔''

بھگوان سب ٹھیک کر دے گا' اتنی مایوس نہ رہا کر۔''

''اور بھگوان نے ہماری نہ سنی تو؟'' وہ سہمی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

''وہ اتنا بے رحم نہیں۔'' پوجا نے دھیرے سے سر ان کے گھٹنوں پر ٹکا دیا۔

''بواجی۔''

''ہونہہ۔''

"بھگوان کے علاوہ بھی کوئی ہماری سننے والا ہے؟"

"چار سو بھگوان ہی ہے۔"

"خدا...... اللہ؟"

"سب بھگوان ہی کے نام ہیں۔"

"ماما کہتی ہے اس کی دعائیں کبھی رائیگاں نہیں جاتیں۔ اس کے اللہ اس کی تمام آشاؤں کو پورا کر دیتے ہیں۔ بوا جی میرا دل چاہتا ہے میں بھی اس کے اللہ میاں سے ایک التجا کروں۔ ایک دعا مانگوں۔"

"کیا......؟"

"ہمیں مال و دولت نہیں چاہیے۔ بس سکون عطا کر دے۔ ایک بھکاری پجارن تیرے در کی سوالی ہو رہی ہے' اسے اپنے پیروں کی خاک سے نواز دے۔ ہم پاپی سہی' خطا وار سہی' مگر یہ گناہوں کی سزا ہمارے گناہوں سے بہت بھاری ہے۔"

اس کے آنسو بوا کا دامن بھگونے لگے۔

"تجھے اس طرح دعا مانگنی کس نے سکھائی؟" بوا جی حیران ہوئیں۔

"کسی نے نہیں۔ بس خدا کو پانے کی جستجو میں آپ ہی آپ لفظ بن گئے۔ بوا جی۔ کیا خدا واقعی دکھ دور کر سکتا ہے۔"

"ہوں اس کی ذات بہت بڑی ہے۔"

"میں ڈھونڈنا چاہتی ہوں اسے...... وہ کہاں ہے......؟" وہ دھیمی سرگوشی کے سے انداز میں بولی۔ "کتنی بلندیوں پر رہتا ہوگا وہ؟ کیسے رسائی پاؤں گی میں اس تک۔ کیسے اپنی عرضی اس تک بھیجوں گی؟ وہ تو نظر بھی نہیں آئے گا مجھے۔ پاپی جو ہوں میں۔ پھر وہ ہمارا خدا تو نہیں......؟"

"خدا سب کا ایک ہی ہوتا ہے پگلی۔" بوا جی نے کسی عالم کی طرح اس کے الفاظوں کی نفی کی۔ "وہ ہر جگہ ہے۔ پاپی' گناہ گاروں سب کی سنتا ہے وہ۔ سب کی عرضیاں وصول کرتا ہے وہ۔"

"آپ نے دیکھا ہے کیا اسے؟" اس نے عجب سوال داغ دیا۔ وہ لمحہ بھر کو چپ ہوگئیں۔

"ہوں۔ بس ذرا جھلک دیکھی تھی کبھی۔"

"پھر......؟"

"پھر کوہ طور کی طرح جل کر راکھ ہوگئی۔"

"کوہ طور......؟ یہ کیا ہے؟"

"وہ پہاڑ' جہاں حضرت موسیٰ خدا کی عبادت کیا کرتے تھے۔ جہاں خدا ان سے مخاطب ہوتا تھا' اور جہاں ایک بار موسیٰ نے خدا کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔"

"آپ کیسے جانتی ہیں یہ سب......؟" وہ یکدم سیدھی ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔ وہ یکدم نظریں جھکا گئیں' ان کے چہرے پر عجیب سا رنگ پھیل گیا تھا۔

"تیرے بابو جی آنے والے ہیں۔ جلدی سے کھانا بنا لے۔ ورنہ آتے ہی شور مچا دیں گے۔" وہ اٹھیں اور پھر تیزی سے اندر بڑھ گئیں' اور پوجا ان کی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔

✦◈✖

ماہا کی بڑی بہن کی شادی تھی اور اس نے پوجا کو بطور خاص بلوایا تھا۔ اگرچہ وہ ڈری سہمی اور خود میں سمٹی رہنے والی اور ہجوم سے ڈرنے والی لڑکی تھی مگر اس گھڑی اسے جانے کیوں تقریبات میں شرکت کا بے حد اشتیاق ہوا۔ وہ جانتی تھی تقریب گھر ہونے کی وجہ سے بابوجی انکار ہرگز نہیں کریں گے۔ دو بچپن کا ساتھ بھی تھا۔ محلے داری تھی۔

اگرچہ بابوجی سماجی تقسیم اور مذہبی و ثقافتی حدود کے بے حد خواہاں تھے مگر ماہا کی فیملی کے ساتھ ان کے مراسم بے حد پرانے تھے۔ تبھی اس تقریب میں شرکت کی اجازت بھی انہوں نے پوجا کو خوشی کے ساتھ دے دی اور پوجا کے دل کی خوشی کا تو ٹھکانہ نہ رہا تھا۔

اودھے، نیلے، پیلے، سرخ، نارنجی، سنہرے، کالے، کاسنی، کتنے ہی رنگوں کے کپڑے اس نے بنوا لیے تھے۔ یہ مایوں کے لئے۔ اس کے ساتھ چاندی کے آویزے، یہ مہندی کے۔ اس کے ساتھ پتھر کے سبز رنگوں والا سیٹ، یہ جوڑا بارات کے لئے، اس کے ساتھ سرخ یاقوت کا نفیس سا سیٹ، سفید براق گھیر والی قمیص کے ساتھ چست چوڑی دار پاجامہ اور سوا تین گز سفید براق آنچل جس کے کناروں پر سنہری ڈوری اور گھنگرو بندھے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ بیلے کے پھولوں کا زیور کانوں میں بواجی کے سنہری جھمکے، گلے میں گلوبند، بالوں میں چھن چھن کرتا پراندہ اور......''

کتنے ہی دلکش تصور اس نے باندھ لیے تھے پلو میں، آس کے لاتعداد جگنو مٹھی میں کرنے کو وہ بے تاب تھی۔

ماہا روز بازاروں کے چکر لگا رہی تھی۔ اس نے گلی کے ایک بچے کو بھیج کر پتا کروایا کہ مایوں کی رسم شروع ہونے میں کتنی دیر ہے اور ابھی ماہا آئی ہے یا نہیں۔ وہ بچے کو کہہ کر ساتھ ہی اندر آ کر تیاری کرنے لگی تھی۔ لباس تبدیل کر کے ابھی شیشے کے سامنے آ کر کھڑی

ہوئی ہی تھی کہ بچہ پیغام لے کر آ گیا۔

''دیدی، ماہا دیدی بازار سے آ گئی ہیں اور کہہ رہی ہیں آپ بھی جلدی سے وہاں آ جائیں۔ شاید دلہا والے رسم کرنے کو آنے ہی والے ہیں۔'' بچہ کہہ کر باہر نکل گیا اور تب وہ بہت عجلت کے ساتھ چوٹی کو بل دینے لگی۔ کانوں میں چاندی کے آویزے پہننے کے بعد جلدی سے ہاتھوں میں بھی کانچ کی نازک چوڑیاں پہنیں، پھر آنکھوں میں کاجل کی دھار لگانے کے بعد جانے کیوں اس نے لپ اسٹک بھی اٹھالی، ابھی کور ہٹا کر کھول کے ہونٹوں کے قریب کی ہی تھی کہ یکدم پشت سے بابوجی کی بھاری کرخت آواز ابھری۔

''کس کو دکھانے جانا ہے تیرے کو ادھر، کس کے لیے اتنا سنگھار کر رہی ہے تو؟'' اس کے ہاتھ جہاں تھے، وہیں تھم گئے۔

''بچی ہے راکیش بھیا۔ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ بچیاں شادی بیاہوں پر نہیں سجیں گی تو بھلا اور کب سجیں گی۔'' بواجی نے ایک کمزور سی دلیل دی۔

''مگر یہ نہیں سجے گی۔'' انہوں نے آگے بڑھ کر لپ اسٹک اس کے ہاتھ سے جھپٹی اور پاؤں تلے رکھ کر روند ڈالی اور دوسرے ہی پل کمرے سے باہر نکل گئے۔ وہ آنکھیں شدت سے بھینچ کر جیسے اپنے اندر کا سارا درد اندر ہی کہیں دفن کرنے لگی۔

ماہا کے ہاں جب وہ داخل ہوئی تو تقریب شروع ہو چکی تھی۔ وہ جلتی آنکھوں اور جلتے دامن سمیت قدرے سنسان گوشے میں ٹک گئی۔ کس قدر خوش تھی، وہ یہاں آنے سے قبل، کیسے کیسے خوشیوں کے جگنو پلکوں میں پروئے تھے مگر اب ان جگنوؤں کی جگہ کانچ کے ٹکڑوں نے لے لی تھی۔ وہ پلکیں جھپک جھپک کر جیسے اندر کے وسیع سمندر پر بند باندھ رہی تھی۔

وہ اپنے ہی خیالوں کے تانے بانے بننے میں لگی ہوئی تھی، جب اچانک ایک دلکش سا لہجہ اس کے کانوں سے ٹکرا کر گلاب سے بکھیر گیا۔ وہ یکدم اپنی سوچوں سے نکل کر ادھر ادھر دیکھنے لگی، مگر اردگرد کوئی نہ تھا۔

''پیلا سا ایک چاند۔'' آواز جیسے سماعتوں میں بازگشت کی طرح گونجنے لگی۔ اس نے یکدم اپنے پیلے ریشمی آنچل کو جو سبزے پر جھول رہا تھا، تھام کر شانے پر پھیلا لیا۔

اداس، سوگوار، سرخ مگر کاجل کی دھار سے مزین آہو چشم، پھر اِدھر اُدھر سرگرداں ہوئی۔ دل یکدم کانپا، اور وہ اپنی تنہائی کا خیال کر کے یکدم ہی وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ دو قدم چلی

تھی کہ ایک سفید گلاب اس کے قدموں سے آن ٹکرایا۔ وہ یکدم ٹھہر گئی۔ نظر سبز گھاس پر اس کے قدموں کے عین قریب پڑے سفید ترو تازہ گلاب پر پڑی۔ اس کے دل میں یکدم ہل چل سی مچ گئی۔ اس نے بے تحاشا چونک کر اِدھر اُدھر نگاہ ڈالی۔ چند فٹ کے فاصلے پر ماہا کی بھر کی رسم ادا ہو رہی تھی۔ سب لوگ اگرچہ مگن تھے' مگر اسے ایسا لگا۔ ہر کوئی اس کی چوری پر نگا جمائے بیٹھا ہے۔ وہ بھاگ کر فرار چاہتی تھی' اور اسی ضمن میں قدم اٹھایا ہی تھا کہ دوسرے قدم پر ایک سرخ گلاب اس کے قدموں سے پھر آن ٹکرایا۔ وہ ششدر سی اسے دیکھنے لگے دل ناتواں پر یہ کاری ضرب تھی۔ وہ یقیناً ایسے گلاب حملوں کے لیے تیار نہ تھی۔ یہ مرحلے ا کی زندگی میں پہلی بار آئے تھے' اور اس کے محسوسات جہاں سلب ہوئے تھے' سوچیں سر پاؤں رکھ کر کہاں بھاگی تھیں۔ وہیں چہرے پر بھی یکدم خوف کے رنگ آن ٹھہرے تھے۔ ا نے اس سرخ گلاب کو نظر انداز کر کے آگے بڑھنا چاہا تھا' مگر خوشبوؤں سے بسے گلاب کو پودوں کی باڑ میں ڈال کر وہ تیزی کے ساتھ آگے بڑھ آئی۔ دل میں عجیب اتھل پتھل سی ہوئی تھی۔ شور اس قدر تھا کہ آواز سے کان پھٹتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ زندگی کی اولین ہلچل تھی۔ یہ پہلا احساس تھا کہ دل کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ جب دل نے کروایا تھا کہ وہ بھی پہلو میں ہے۔

''اف۔'' وہ گہری اضطراری کیفیت میں ایک چیئر پر جم گئی۔ لگ رہا تھا ہر کوئی اس جانب متوجہ ہوا اسے دیکھ رہا ہو۔

بہر حال کچھ بھی تھا۔ اس کا دل' اس کا دماغ یکدم ہی بے اختیار ہو کر از خود مصروف ہوئے تھے۔

''پہلی بار کچھ ہوا تھا۔''

''ابھی ابھی' یہیں کہیں' لمحہ بھر میں' پل کے ہزارویں حصے میں۔'' وہ ابھی الجھی سو میں غلطاں تھی' سنبھل بھی نہ پائی تھی' کہ ماہا نے اسے پکار لیا۔

''پوجا کی بچی! کہاں غائب تھیں تم؟ ابھی آ رہی ہو۔ دیکھو رسم ادا بھی ہو چکی۔''

''اوہ۔ آئی۔ آئی ایم سوری۔'' وہ بمشکل مسکرا کر بولی۔ ''وہ دراصل۔''

''چلو کوئی بات نہیں۔ اب جلدی سے آجاؤ۔ لڈی ڈالتے ہیں۔'' ماہا نے مسکرا کر ا مشکل آسان کر دی۔

''لڈی! مگر مجھے تو لڈی ڈالنی نہیں آتی۔ اس کے پیلے چہرے کا رنگ یکدم ہی اور بھی پیلا پڑ گیا۔

''اف کیا غضب کی لگ رہی ہو' مکمل شاہکار' ایک حسین پیلا چاند' پیلا جوڑا' وہائٹ براق دوپٹا' جیسے بادلوں کی اوٹ سے پیلا چاند جھانک رہا ہو۔'' ماہا نے بھرپور تعریف کی۔

''اف۔'' اس نے یکدم گھبرا کر ماہا کی جانب دیکھا۔ ''پیلا چاند۔''

ٹھہر گیا ہے سراسیمہ سا پیلا سا اک چاند
کوئی گنگناتا ہوا لہجہ اس کی سماعتوں میں جیسے ہل چل سی مچا گیا۔ وہ سر جھکا کر کلائیوں میں موجود چوڑیوں سے کھیلنے لگی۔ مبادا آنکھیں دل کی کیفیات ہی عیاں نہ کر ڈالیں۔ اس کا انداز اس قدر الجھا ہوا تھا کہ ماہا قریب چلی آئی۔

''خیریت۔ کچھ پریشان سی لگ رہی ہو؟'' ماہا کے ہاتھ کا دباؤ اس کے شانے پر تھا۔

''ن......نہیں۔ تو......'' اس نے یکدم سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔

''پھر تمہارا چہرہ اس طرح فق کیوں ہو رہا ہے؟'' ماہا نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''شاید۔ شاید اس پیلے جوڑے کا اثر ہے۔'' ماہا ہنس پڑی۔

''ہاں شاید واقعی مگر تم پر یہ رنگ جچ بھی بہت رہا ہے۔ مجھے تو ڈر ہے کوئی اس پیلے چاند کا شیدائی و تمنائی نہ ہو بیٹھے۔''

پوجا کی سونے جیسی کھلتی رنگت یکدم سرخ پڑ گئی۔

''بکومت۔'' وہ بمشکل مسکرا سکی۔ تبھی وہ بولی۔

''چلو نا لڈی ڈالتے ہیں مل کر۔''

''لیکن مجھے تو لڈی ڈالنا نہیں آتی۔''

''کوئی بات نہیں ہم تمہیں سکھا دیں گے۔''

''اوں ہوں۔ بابو جی کو اچھا نہیں لگے گا۔''

''اف۔ تمہارے بابو جی۔ ہر وقت جانے کیوں تمہارے سر پر سوار رہتے ہیں۔ میرا خیال ہے ان کے پاس ایسی کوئی طاقت نہیں ہوگی کہ وہ تمہیں یہاں پر نوٹس کر سکیں۔''

وہ ہنس پڑی۔

''ان کی نگاہیں بہت تیز ہیں۔ ہر جگہ' ہر وقت مستعد۔ شاید واقعی کوئی طاقت ان کے

پاس موجود ہے۔"

"بہر حال تم بیٹھو اور انجوائے کرو۔" ماہا اس کی بحث سے جیسے اکتا کر بولی' اور پھر اپنی کزنز اور خاندان کی دوسری لڑکیوں کے ساتھ لڈی ڈالنے لگی۔

وہ پورے انہماک سے انہیں دیکھ رہی تھی' تب ہی چہرے پر کسی کی نظروں کی تپش کا احساس کر کے وہ بے چین ہو اٹھی۔ بلا ارادہ ہی سامنے نگاہ اٹھائی۔

لان کے آخری سرے پر ایک ٹولہ سا لڑکوں کا جمع تھا۔ انہی میں سے ایک وہ بھی تھا۔ بلو چست جینز وائٹ شرٹ' اجلا چہرہ' تومند وجود' ہاتھ میں گٹار تھام کے (بلکہ گٹار دھیمے سروں میں بجاتے ہوئے) وہ اسی کی جانب متوجہ تھا۔ پوجا کے اس کی جانب اس طرح دیکھنے پر وہ دھیرے سے مسکرایا تھا۔

پوجا کا دل جیسے یکدم ہی کانوں میں آن گھسا تھا۔ یا جیسے پسلیاں توڑ کر ابھی باہر آجائے گا۔ وہ جلدی سے نگاہیں جھکا گئی' مگر دھک دھک کی آواز کان پھاڑتی رہی۔

تبھی میوزک بند ہوا' اور ایک شور سا اٹھا لڑکیوں میں۔ اس نے نگاہ اٹھائی کہ ماہا" اسی" کا ہاتھ تھامے کھینچتی ہوئی لا رہی تھی۔ گٹار اس کے ہاتھ میں تھا۔ پوجا کا دل جیسے بند ہونے لگا۔ ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئیں۔

"سنیں معزز خواتین' یہ میرے ڈیئر کزن اعیان عمر شیخ ہیں۔ پڑوسی ملک۔ یعنی پاکستان سے آئے ہیں۔ پڑھ تو ایم۔ بی۔ اے میں رہے ہیں' مگر گاتے بھی کمال کا ہیں۔ آج یہ ہماری ہی پرزور فرمائش پر آپ کو کچھ سنائیں گے۔ جی تو اعیان صاحب کیا سنا رہے ہیں آپ؟" ماہا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ تب وہ بہت دھیمے انداز میں مسکرایا۔ نگاہیں یکدم حرکت کرتی ہوئیں اس کے چہرے کا طواف کرنے لگیں۔

آپ کو دیکھ کر دیکھتا رہ گیا
کیا کہوں اور کہنے کو کیا رہ گیا

اس کا انداز اتنا دلکش اور شوخ تھا کہ ہجوم میں یکدم بھرپور شور اٹھا' اور زبردست داد کے ساتھ تالیاں بھی بجائی گئیں۔ اس کی سیاہ آنکھوں کی جوت مزید بڑھ گئی۔ گٹار کے سروں کو دھیرے سے چھیڑا۔

پہلے ایک قطعہ عرض ہے۔

جب سے تو نے پاؤں دھرا ہے دل کے سُونے جنگل میں
خوشبو سی اک پھوٹ رہی ہے دل کے سُونے جنگل میں
لمحہ بھر جو دیکھیں تیری روشن ہنستی جھلمل آنکھیں
جگنو رستہ پوچھ رہے ہیں دل کے سُونے جنگل میں

"واہ۔ واہ۔ واہ۔ زبردست۔" کئی ملی جلی آوازیں ابھریں۔ مترنم قہقہے ابھرے۔

"کون ہے بھئی وہ؟" ماہا سے بڑی سعدیہ نے بولڈ لہجے میں پوچھ بھی لیا۔ وہ بڑے دلکش انداز میں مسکرایا' پھر آنکھیں میچ کر باقاعدہ سر میں گانے لگا۔

جب سے تو نے مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے
سنگ ہر شخص نے ہاتھوں میں اٹھا رکھا ہے
جب سے تو نے مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے

پوجا کی دھڑکنیں جیسے تھمنے سی لگیں۔ وہ یکدم اٹھی۔ ماہا کی امی کو بتایا' اور پھر تقریباً بھاگتی ہوئی وہاں سے نکل آئی۔ گھر میں آ کر بستر پر گر کر کتنی ہی دیر تک وہ گہرے گہرے سانس لیتی رہی' مگر دل کا شور پھر بھی مدھم نہ ہوا۔

ہوسکتا ہے جیسا وہ اخذ کر رہی تھی' وہ سب قیاس ہی ہوتا۔ یا غلط فہمی ہی ہوتا' مگر یہ بھی تھا کہ اس کی نگاہ ایک عورت کی تھی' اور عورت چاہے سولہ برس کی ہو یا ساٹھ برس کی۔ اس کی نگاہ بہت کچھ بھانپنے کی صلاحیت رکھتی ہے' اور کچھ ہو نہ ہو لیکن مرد کی نگاہ وہ بہت جلد جان جاتی ہے' اب پوجا کو جو بھی حالات درپیش ہوں' لیکن وہ اسے مکمل نظر انداز کر کے پہلو نہیں بچا سکتی تھی۔

دوسرے دن ڈھولک تھی' سکھیوں' سہیلیوں کو اکٹھے ہونا تھا۔ گیت گانے تھے' لیکن وہ نہیں گئی' پھر اس سے اگلے دن بھی۔ وہ یونہی کتابوں میں سر دیے بیٹھی رہی۔

تیسرے روز مہندی تھی' اور اس روز بھی اس کا ارادہ کچھ ایسا ہی تھا' کہ ماہا آپ چلی آئی۔ اسے بستر پر لیٹے کتاب پڑھتے ہوئے کچھ خشمگیں نظروں سے دیکھا پھر بولی۔

"میں سمجھی موت واقع ہوگئی ہوگی' اور اب تک شاید کریا کرم بھی ہو چکا ہو' مگر تم تو زندہ سلامت ہو۔"

وہ کتاب ایک طرف رکھ کر اٹھ بیٹھی۔ "سوری دراصل وہ میں......"

"اوں ہوں۔ وضاحت نہیں' جلدی سے تیار ہو کر آجاؤ' ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا سمجھیں۔" وہ بولی اور پھر اسی تیزی سے واپس مڑ گئی' وہ کچھ دیر تک یونہی بیٹھی رہی' پھر دلی کے ساتھ اٹھ کر تیار ہونے لگی۔

تب تصور میں جانے کیوں وہ سیاہ جگنوؤں سی روشن آنکھیں ابھر آئیں۔

سفید سوٹ زیب تن کر کے اس نے پشت پر ڈھیلی سی چوٹی باندھ لی۔ اگرچہ تیاری اس کی کچھ اور ہی تھی' اور اس سوٹ کے ساتھ لوازمات بھی کچھ اور طے ہوئے تھے' مگر ا قصداً گھنگروؤں والے پراندے سے پرہیز کیا گیا' کانوں میں بوا کے سنہری جھمکوں کی چھوٹے چھوٹے ٹاپس پہن لیے' آنکھوں میں کاجل بالکل نہ لگایا۔ وہ اپنی طرف سے حفا بند باندھ رہی تھی' مگر نہیں جانتی تھی کہ پہلی اٹھنے والی نگاہ میں جو تاثر بن جاتا ہے' دوسری اسے بدل نہیں سکتی۔ لٹنے والا ایک نگاہ میں ہی لٹ جاتا ہے۔ کیوپڈ کا تیر کام کر جاتا ہے لوٹنے والے کو خود معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے کیا کچھ لوٹ لیا۔ بس لٹنے والا جانتا ہے۔

وہ سادگی کی سی تیاری سمیت وہاں پہنچی' تو ماہا نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

"عالم ارواح سے پدھاری ہو کیا آپ؟" وہ شرمندہ سی ہو کر سر جھکا گئی' اور تب اسے تھام کر اپنے کمرے میں لے گئی۔

"مانا یار تمہارا حسن بلا کا قیامت خیز ہے' اور اچھی صورت کو سنورنے کی ضرورت نہ ہوتی' مگر یہاں آج ایک اہم تقریب ہے' اور اگر آپ چاہتی ہیں کہ کوئی آپ کو بیوہ جا کچھ کہے نا تو پلیز آپ یہ ذرا سی لپ اسٹک ہونٹوں پر پھیر لیجیے۔" اس کا انداز برہم تھا۔

پہلے تو اسے دیکھتی رہی' پھر اس کے ہاتھ سے لپ اسٹک لے کر ایک طرف رکھ دی۔

"بابو جی کو یہ سب اچھا نہیں لگتا۔ مجھے بیوہ نظر آنے کا کوئی شوق نہیں' مگر وائٹ میرا فیورٹ ہے' اور پھر ضروری نہیں کہ یہ رنگ فقط بیواؤں کے لیے ہی مخصوص ہو۔ پاکیزگی کی علامت بھی تو ہے۔"

"ماشاءاللہ کیا کہنے۔" ماہا نے اسے بھرپور داد دی' پھر اپنی تیاری میں مگن ہو گئی۔

وہ ڈریس چینج کرنے ڈریسنگ روم میں گئی تھی' تبھی داخلی دروازہ ایک آواز کے س کھلا۔

"ماہا۔ یہ پھول۔"

"پوجا نے رخ پھیر کر یکدم دیکھا' اور پھر نظریں یکدم ہی دوبارہ جھک گئیں۔ وہ دو قدم آگے بڑھ آیا۔

"یہ گجرے وغیرہ منگوائے تھے ماہا نے۔" پوجا نے نگاہ اٹھا کر دیکھا' اس کا ہاتھ پھیلا ہوا تھا۔ اس نے جلدی سے پیکٹ تھام لیا' مگر اس کا ہاتھ اس کے بھاری مضبوط ہاتھ سے لحہ بھر کو مس کر گیا۔ لحہ بھر کو نظریں اٹھیں' یہ لیں' وہ اپنائیت سے مسکرا دیا۔

"آپ کا نام؟"

"پو...... پوجا...... پوجا راکیش ٹھاکر!"

"اوہ۔" اس کے ہونٹ یکدم سیٹی کے انداز میں سکڑے' پھر دوسرے ہی لمحے وہ مسکرا دیا۔

"اچھا نام ہے مقدس سا۔ پاکیزہ سا' شبنم کے قطروں کی طرح صاف ستھرا۔" وہ خاموشی سے سر جھکائے کھڑی رہی' تبھی وہ بولا۔

"آئی ایم اعیان عمر شیخ۔ فرام پاکستان۔"

"میں جانتی ہوں۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

"کب سے؟" وہ شرارت سے بولا۔

"وہ دراصل ماہا نے تعارف کروا دیا تھا اس روز۔" وہ بولی تو وہ دلکش انداز میں مسکرا دیا۔

"بہرحال آپ یہ گجرے انہیں دے دیجیے اور کہیے جلدی تیار ہو کر نیچے آجائے۔"

"سنیں اتنے دنوں تک آپ آئیں کیوں نہیں؟"

اور پوجا کی جیسے سانسیں تھم گئیں۔ اس نے دھیرے سے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ وہ بہت دوستانہ انداز میں مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ نظروں کے دیپ بے تحاشا روشن تھے۔ وہ یکدم بوکھلا کر سر جھکا گئی۔

انداز عام سہی لیکن لفظ کہاں عام تھے۔

کیا' کیا اسرار و بھید نہ چھپے ہوئے تھے اس میں۔

پوجا کی پیشانی یکدم نمی کے قطروں سے تر ہو گئی۔

"وہ...... دراصل۔" اس نے کہنے کے لیے سر اٹھایا۔ زبان کھولی' مگر لفظ اندر ہی کہیں

دم توڑ گئے' اور تب اس نے دیکھا' وہ بے حد بھرپور انداز میں مسکراتا ہوا واپس پلٹ گیا تھا۔

پوجا کتنے ہی لمحے ساکت سی اسی حالت میں کھڑی دروازے کی جانب دیکھتی رہ گئی حتیٰ کہ جب تک ماہانہ آ گئی۔

"چلو یار کیا بت بنی کھڑی ہو۔ دلہا والے آ گئے ہیں۔ باہر نہیں چلنا کیا؟" وہ تقریباً چیخی تھی' اس کے کان کے قریب اور تب وہ جیسے یکدم ہی کسی خواب سے بیدار ہو کر اسے دیکھنے لگی تھی' اور پھر یکدم ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

عمر کچی تھی' لیکن وہ کچے خواب دیکھنے سے ڈر رہی تھی' مگر جانے کیوں اس کی آنکھیں ان کچے خوابوں کو پلکوں پر پرونے سے ڈر رہی تھیں۔ شاید اس لئے بھی کہ مکمل تصویر نہ تھی فقط عکس تھا۔ خیال تھا اور خواب و خیال کا کیا اعتبار۔ خواب تو جھوٹ بھی ہو سکتے ہیں۔ خیال دھوکہ بھی ہو سکتا ہے۔ تبھی وہ بھی اپنے دل کو بار بار ڈپٹ کر تاویلیں دے رہی تھی۔ ایسی بات نہیں "کچھ خاص" نہیں اور ہو بھی نہیں سکتی۔ وہ غیر ہے۔

غیر مذہب ہے' غیر قوم ہے' الگ ذات ہے' الگ ملک کا ہے' الگ ماحول کا ہے' ہر طرح سے غیر اور اجنبی۔

"کیا واقعی؟"

دل سے یکدم صدا ابھری اور وہ ششدر رہ گئی۔

شادی والے دن اس کا جانے کا کوئی ارادہ نہ تھا' مگر بواجی کے ٹوکنے پر مجبوراً وہ ہو گئی۔ جانا بواجی کو بھی تھا' مگر پھر بابوجی کے خیال سے وہ گھر پر ہی ٹھہر گئیں کہ جانے والے گھر میں کتنا وقت صرف ہو جاتا۔ وہ بہت ڈرتی ڈرتی نکل آئی۔

سچ تو یہ ہے کہ بندہ خوفزدہ تب ہی ہوتا ہے۔ جب اپنے دل میں بھی کوئی چور ہو' فطری خوف بھی ہوتا ہے' اور جس ماحول میں پلی بڑھی تھی اس کا اثر بھی اس پر خاصا تھا۔ وقت ہوتا ہے۔ ایک لمحہ ہوتا ہے' جب سب کچھ لٹ جاتا ہے۔ لٹنے اور لوٹنے والا کبھی دونوں ہی بے قصور' بے خبر ہوتے ہیں۔ کبھی دانستہ تیر چلایا جاتا ہے وار جاتا ہے' ا نادانستگی میں سب کچھ ہو جاتا ہے۔

وہ جو خود میں سمٹی سمٹائی رہنے والی' اور خود کو خود سے بھی چھپا کر رکھنے کی عادی تھی بہت کچھ گنوا بیٹھی تھی' ورنہ دل رہ رہ کر اسے یوں ستا نہ رہا ہوتا۔ اس کا خیال یوں آ آ کر

بیدار نہ کر رہا ہوتا۔

ماہا کے گھر آ کر وہ اس کے ساتھ ہی چپکی رہی تھی' مسلسل۔ پہلے کمرے میں' پھر کچن میں' نوکر کو ضروری ہدایتیں دیتے ہوئے اور پھر جب بارات آ گئی۔ تب وہ اس کے سواگت کو باہر چلی گئی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ بھی ساتھ چلے' مگر اس نے سہولت سے منع کر دیا' اور ماہا کی بھابی کے پاس ہی ٹک گئی' جو کہ ڈرائنگ روم میں بیٹھیں بچوں کو تیار کر رہی تھیں۔

"تم نہیں گئیں باہر۔ لڑکیاں تو تمام باہر ہی ہیں؟" انہوں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ...... میری سینڈل دراصل مجھے بہت تنگ کر رہی ہے۔" اسے بروقت بہانہ سوجھ گیا۔ اب یہ خدا کا شکر تھا کہ انہوں نے مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا' اور وہ دوبارہ اپنے بچوں کے ساتھ مصروف ہو گئی تھیں' تب وہ سر جھکا کر ناخنوں پر سے کیوٹکس کھرچنے لگی تھی۔ ابھی زیادہ لمحے نہیں گزرے تھے کہ اچانک وہ کمرے میں داخل ہوا۔ اس پر نگاہ پڑی تو آنکھوں میں روشنی سی بھر گئی۔ وہ سر جھکائے بیٹھی تھی انداز میں اضطرابی اور الجھن کے سے آثار تھے۔

"باقی تمام لوگ تو باہر ہیں آپ تنہا یہاں بیٹھی کیا کوئی "چلہ" کر رہی ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کیا' اور تبھی پوجا نے گھبرا کر سر اٹھایا' اور ساکت رہ گئی۔ بھابی جانے کب کی وہاں سے اٹھ کر جا چکی تھیں' اور اب وہ وہاں بالکل تنہا تھی۔ اس طرح تنہا چھپ کر بیٹھنا' پوزیشن اچانک ہی آکورڈ سی لگی۔ اندر کا چھپا چور جیسے یکدم ہی ظاہر ہونے لگا۔ اس کی نظریں اس کے بھاری جوتوں پر تھی۔ (یہ میری ٹوہ میں کیوں لگا رہتا ہے۔ آخر میرا اتنا خیال کیوں ہے اسے؟) اس نے ڈرتے ڈرتے نظر اٹھائی۔ وہ پوری توجہ کے ساتھ اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ فوراً نظریں دوبارہ جھکا گئی۔

"اتنی خوفزدہ اور سہمی سہمی سی کیوں رہتی ہیں آپ؟"

جواب میں کیا کہتی' سو چپ ہی رہی۔

"آپ کو دیکھ کر مجھے بچپن کی پڑھی وہ کہانی یاد آتی ہے۔ جس میں سبکتگین نامی بادشاہ جنگل میں شکار کو جاتا ہے' اور اس کا شکار ہونے والی ہرنی اسے دیکھ کر خوفزدہ سی ہو جاتی ہے۔ مجھے آپ ویسی ہی کوئی خوفزدہ ہرنی لگتی ہیں۔"

پوجا کے ہاتھ پاؤں جیسے سرد ہونے لگے۔ اسے اپنا وجود بے جان سا ہوتا محسوس ہو رہا

تھا۔ وہ یوں تنہا' ایک شخص کے ساتھ۔ ایک انجان مسلم شخص کے روبرو' محو گفتگو۔ اگر کوئی دیکھ لیتا' تو جیسے اس کی چھوٹی سی دنیا میں قیامت ہی تو آ جاتی۔ وہ اسے سنے بنا اس کی جانب دیکھے اٹھی تھی' اور پھر فوراً ہی باہر نکل گئی تھی۔ ستون سے لگ کر کتنے ہی لمحے وہ گہرے گہرے سانس لیتی رہی تھی۔ پھر ماہا کی تلاش میں بڑھ گئی تھی۔ بعض اوقات جو کچھ ہم محسوس کرتے ہیں۔

جس خطرے کو بھانپتے ہیں۔ اس کے سد باب کے طور پر بہت سے اقدامات بھی کر لیتے ہیں' مگر کوئی لمحہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ سب دیواریں ڈھیر ہو جاتی ہیں' آنے والا لمحہ اتنا مضبوط اور توانا ہوتا ہے کہ سب بند کھوکھلے سے ہو کر رہ جاتے ہیں' اور ہم لاکھ بچتے ہیں' لیکن ہوتا وہی ہے جو کہ ہونا ہوتا ہے۔ تبھی جب وہ واپس آ رہی تھی تو وہ بھی کسی کوہکن کی طرح تمام رکاوٹوں کو توڑتے ہوئے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔"

اور اس کے دل میں یہاں سے لے کر وہاں تک اچانک ہی جیسے ایک ہنگامہ سا برپا ہو گیا' اور اس لمحے وہ کچھ بولی نہیں' بس اِرد گرد نگاہ ڈال کر خوفزدہ سے انداز میں جیسے اسے کچھ کہنے سے باز رکھنا چاہا تھا' اور تبھی وہ بھی جیسے کچھ کہنے کے پروگرام کو ملتوی کرتے ہوئے ایک کاغذ کا پرزہ اس کے ہاتھ میں تھما کر تیزی سے واپس مڑ گیا تھا' اور وہ بھی اس لمحے جہاں حیران ہوئی تھی' وہیں ساکت بھی رہ گئی تھی۔

اُف۔ جس خطرے سے بچنے کے لئے اتنے اقدامات کیے تھے' آخر کار وہ خطرہ نازل ہو گیا۔

وہ مٹھی میں بند پرزے کو بھینچ کر یکدم ہی وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی تھی' گھر آ کر سیدھی اپنے کمرے میں آئی تھی۔ رات بہت ہو چکی تھی۔ بابو جی تو سو چکے تھے' البتہ بوا ابھی اس کے انتظار میں جاگ رہی تھیں۔ وہ یقیناً اس وقت سونا چاہ رہی تھیں' تبھی اس کے چلے نہیں آئیں' اور یہ لمحے اس کے لئے غنیمت ہو گئے۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ بوا جی سو گئی تب اس نے دھیرے سے دروازہ بند کیا۔ دروازے کے ساتھ لگ کر چند گہرے سانس لیے دل ابھی تک جیسے اس کی مٹھی میں دبا ہوا تھا' پھر وہ وہیں نیچے بیٹھ گئی۔ بہت ڈرتے ڈرتے آہستہ سے مٹھی کھولی۔ ایک خوشبودار سا کاغذ اس کی ہتھیلی پر جیسے دل بن کر دھڑک رہا تھا۔ کہنے والے کا بے قرار دل۔ جذبوں سے معمور' احساس سے منور دل۔

پوری ہتھیلی جیسے سلگتی محسوس ہو رہی تھی۔ جیسے اس نے ہتھیلی میں اب تک کاغذ نہیں آگ دبا رکھی ہو۔

اس نے اس کاغذ کو دھیرے سے ہاتھ میں لیا' اور پھر دھڑکتے دل کے ساتھ آہستہ آہستہ کھول دیا۔ جگمگاتی ہوئی' موتیوں سی اردو ہینڈ رائٹنگ اس کے روبرو تھی۔

اک بات جو تم سے کہنی ہے
اک بات جو تم سے سننی ہے
وہ بات' کوئی عام بات نہیں
وہ لفظ بھی ہرگز عام نہیں
جذبے دل میں دبے ہیں اور
لب سے کہنا آسان نہیں
وہ بات' کوئی عام بات نہیں
وہ لفظ بھی ہرگز عام نہیں
بات اک عمر کی ہے جو تمہیں
اک پل میں ہمیں بتانی ہے
فقط ایک

"دھک' دھک' دھک' دھک!" اس نے اپنی آنکھیں میچ کر سر دروازے کے ساتھ ٹکا دیا۔ اس کے اندر ایک حشر سا برپا ہو چکا تھا' جیسے اندر باہر کتنا سمجھدار ہے وہ۔

زمین منتخب کی بھی تھی اپنے لیے تو وہ جو کسی طرح "زرخیز" تھی۔ پانی کی فقط ایک بوند کی منتظر اور پھر سبزہ ہی سبزہ۔ ہاں وہ اس زمین کی ہی مانند تو تھی جو اب تک زرخیز تو تھی' مگر کوئی بادل اس پر نہ برسا تھا' اور اگر کبھی کوئی بادل برس جاتا تو یقیناً سبزہ ہی سبزہ ہو جاتا کہ زرخیزی کے لئے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بونے والا۔ فقط چند بیج بے دلی سے بھی پھینک دے تو رائیگاں نہیں جاتے۔

اس حقیقت سے شاید وہ بھی واقف تھا۔ لفظوں کا انداز۔ نظر ہر ہر طرح سے وہ مقابل پر وار کرنا جانتا تھا' اور اس کا کوئی وار بھی خطا نہیں گیا تھا۔

اوّل تا آخر۔ ہر وار کا اپنا ایک انداز تھا۔ اثر تھا۔ پوجا کے اندر جیسے ایک طوفان بلاخیز

سا موج زدہ تھا۔ ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا' لہریں شوریدہ سی ہو رہی تھیں۔ وہ اب دل کے بے حد قریب محسوس ہو رہا تھا۔ بے حد قریب۔ دھڑکنوں میں دھڑکتا ہوا۔

اور تب وہ جیسے سب کچھ فراموش کر گئی تھی۔ ہر دیوار ڈھا گئی تھی۔ مذہب کی' فرقے کی' قوم کی' ملک کی' سرحد کی۔ محبت حدوں کی محتاج نہیں ہوتی اور جو ہوتی ہے' وہ محبت نہیں ہوتی۔ محبت تو بس اپنا آپ دیکھتی ہے' اپنی تسکین کے لئے سارے خیال' ساری حقیقتیں پس پشت ڈال دیتی ہے یہی محبت ہے۔

اور وہ بھی بلا تامل اس کا اظہار کر گئی تھی۔

بنا بابوجی کی پروا کیے۔

اس کے لب ہل رہے تھے۔ سرگوشی کر رہے تھے۔ اس کاغذ پر جھکے لفظوں کو جیسے زندگی بخش رہے تھے۔

''ہم ہار گئے۔ تم جیت گئے۔ ہاں اقرار ہے۔ ہمیں اقرار ہے' پیار ہے' ہمیں پیار ہے۔''

اور تب وہ یکدم ہی نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ کسی معصوم سی بچی کی طرح۔ جسے پہلے کھلونے دے کر بہلایا جائے' اور پھر دوبارہ کھلونے لے لئے جائیں' یا چھین لیے جائیں اس کی کیفیت بھی ایسی ہی تھی۔ اگرچہ اس سے اسے کوئی چھین نہیں رہا تھا' فی الحال مگر وہ مکمل اس کا کب تھا۔

یہ حقیقت بھی تو اپنی جگہ مسلم تھی۔

✦ ◈ ✖

ضروری نہیں کہ جو شعلے اٹھیں' انہیں ہوا بھی دی جائے' کسی آگ کو دبانا بھی پڑتا ہے' اور اس کوشش میں چاہے اپنا آپ جل جائے۔ مٹ جائے کب پروا ہوتی ہے' وہ خود سے اقرار تو کر گئی تھی نادانستگی میں' مگر وہ ان جذبوں کو اس پر آشکارا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پا کر کھونے کی اذیت اور تکلیف بہت جان لیوا ہوتی ہے' اور وہ اس تکلیف سے گزرنا نہیں چاہتی تھی۔ جذبات کی رو میں بہک کر بندہ کچھ عرصے کے لیے خود سے اور زمانے سے غافل ہو سکتا ہے' لیکن کبھی نہ کبھی تو حقیقت میں آ کر خود پر نظر آنے کی ضرورت پڑتی ہی ہے۔ اس دنیا کا سامنا کرنا پڑتا ہی ہے۔ ہم سدا خوابوں میں زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ یہ ہماری بدقسمتی سہی' لیکن ہے تو حقیقت۔

اور اس نے بھی وقتی جذبات کی رو میں بہہ کر خود سے اقرار تو کر لیا تھا' مگر یہ حقیقت بھی اس پر منکشف تھی کہ سماج والے اسے کبھی بھی اس کا نہ ہونے دیتے۔ خواب حسین و دلفریب سہی' مگر تلخ حقیقت کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا' کہ دونوں کے درمیان مذہب' ملک اور معاشرے کی دیوار حائل تھی۔ سو اس نے بھی خود پر بند باندھ لیے تھے۔ اگرچہ یہ بہت دشوار تھا' مگر اس نے طے کر لیا تھا' کہ اب وہ کبھی اس کا سامنا نہیں کرے گی۔ نہ ہی ماہا کے گھر جائے گی۔

مگر اسی شام اچانک ہی اسے یاد آیا کہ صبح ٹیسٹ ہے' اور اسے ماہا سے ضروری نوٹس درکار تھے۔ تب وہ بواجی کو بتا کر جلدی سے نکل آئی۔

دوپٹہ اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ لیا' کوئی تو ڈھال چاہیے تھی' ارادہ تھا کہ بس دروازے سے ہی لے کر واپس لوٹ آئے گی' مگر ماہا زبردستی اندر کھینچ کر لے گئی۔

''بدتمیز۔ کہاں غائب ہو گئی تھیں' اس روز کے بعد سے نظر ہی نہیں آئیں۔'' ماہا اسے

دیکھتے ہی بگڑ کر بولی۔

''بواجی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔'' اس نے یونہی بہانہ گھڑا۔

کچھ فاصلے پر وہ ماہا کے بہن بھائیوں اور کزنز کے ساتھ بیٹھا کیرم کھیل رہا تھا۔ اگرچہ مصروف تھا' لیکن توجہ اس پر بھی تھی' اور بوجا اس سچویشن پر خاصی پریشان ہو رہی تھی۔

''مجھے آئی۔ آر کے نوٹس دے دو۔ صبح ٹیسٹ ہے۔'' وہ لبوں پر زبان پھیر کر جلدی سے بولی۔

''ماہا لوگوں سے کہہ دو' آئی۔ آر پڑھنے یا رٹنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ جب تک بندے کی پی آر اچھی نہ ہو۔'' وہ وہیں سے بنا اس کی جانب دیکھے باآواز بلند بولا تھا۔ زبردست قہقہہ پڑا تھا' اور وہ شرمندہ سی ہو کر سر جھکا گئی تھی' اور وہ مزید کہہ رہا تھا۔

''ان سے کہو پہلے پی۔ آر اچھی بنائیں پھر آئی۔ آر پڑھیں۔''

''اُف توبہ ہے اعیان بھائی۔ آپ تو بالکل زچ کر کے رکھ دیتے ہیں بندے کو۔'' ما سے چھوٹی صبا نے اس کا مکمل دفاع کیا۔

''یہ تم دفاعی مورچہ کس خوشی میں بنا رہی ہو' کیا محترمہ کے منہ میں زبان نہیں؟'' اس کے ماتھے پر نمی کے کئی قطرے آن ٹھہرے' سب مسکرا رہے' ہنس رہے تھے۔ موضوع گفتگو تھی' اور موضوع گفتگو بنانے والا' دل کا حکمران تھا' مگر اس گھڑی کیسا بیگانہ اور پرایا لگ تھا۔

''بس اعیان' اب آپ کچھ نہیں کہیں گے۔ بوجا بہت بھولی ہے۔ خبردار جو آپ اسے مزید کچھ کہا۔'' آخرکار ماہا نے بھی اس کا دفاع کیا۔ وہ اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھ مسکرا دیا۔

''بھولی صورت۔ والے کبھی کبھی متضاد شخصیت کے مالک ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی کہتے ہیں صورتوں پر نہیں جانا چاہیے۔ خصوصاً بھولی سی صورت پر۔'' وہ ایک نگاہ اس پر ڈا دوبارہ کھیل میں مصروف ہو گیا۔ اس کا جی چاہا اٹھے اور فوراً یہاں سے بھاگتی ہوئی باہ جائے' مگر جانے کیوں وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی' اور ماہا اٹھ کھڑی ہوئی یہ کہہ اسے نوٹس لا کر دیتی ہے۔

وہ اپنے قدموں پر نگاہ لگائے بیٹھی رہی جب تک کہ ماہا نہ آ گئی۔

''سوری ذرا دیر ہو گئی' دراصل مل ہی نہیں رہے تھے۔ شادی والے گھر میں تو بندہ بھی ایک جگہ رکھ دو تو وہ بھی گم ہو جائے۔ یہ تو پھر نوٹس۔''

''ماہا پتا کر لو اچھی طرح شاید کوئی بندہ بھی کھو نہ گیا ہو کہیں۔'' اعیان کے ساتھ بیٹھا فرحان جو کہ اس کی تمام حرکتوں کو برابر نوٹ کر رہا تھا' مسکرا کر بولا تو وہ بڑے جاندار طریقے سے ہنس پڑا۔

ماہا نے انہیں ایک تیز نظر سے دیکھا' پھر اسے لے کر کمرے میں چلی گئی۔

''مجھے ذرا یہ سمجھا دو۔ دراصل جس روز یہ لیکچر ہوا تھا' میں اس روز گئی نہیں تھی۔'' وہ اندر کی تمام کیفیات قابو پاتی ہوئی بولی' اور تب ماہا تفصیلاً لیکچر سمجھانے لگی۔ اس کا ذہن اگرچہ مکمل حاضر نہیں تھا' لیکن وہ پوری توجہ کے ساتھ سننے اور سمجھنے کی کوشش کرنے لگی' اور اسی اثنا میں شام گہری ہو گئی۔ اس نے جب اچانک کھڑکی سے باہر نگاہ کی تو فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بابوجی آ چکے ہوں۔'' وہ دوپٹہ سر پر جما کر جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہال کمرے میں وہ لوگ اب تک محفل جمائے بیٹھے تھے۔

نہ پیار کیے نہ اقرار کیے
نہ روٹھے نہ تکرار کیے
نہ بولے نہ اظہار کیے
یہ ملنا بھی کوئی ملنا ہے
کہ آئے اور چل دیے

سب مل کر بیٹھے گا رہے تھے۔ کئی آوازیں تعاقب میں تھیں' مگر ایک آواز بہت بلند تھی۔ ان میں مگر اس نے قدموں کو روکا نہیں تھا۔ تیزی کے ساتھ دہلیز پار کر آئی تھی۔

✦ ◈ ✖

''یہ کیا چکر ہے یار؟'' فرحان اس کے سامنے بیٹھا پوچھ رہا تھا۔

''کون سا؟''

''وہی جو میں کئی دنوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اب مکر مت جانا' کہ نظریں ہم بھی رکھتے ہیں۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر باور کرانے والے انداز میں بولا تو اعیان عمر شیخ مسکرا دیا۔

''سب کچھ جانتے ہو تو پھر پوچھ کیوں رہے ہو؟''

"پوچھ اس لیے رہا ہوں کہ آپ کے والدین نے ماہا بیگم کے لیے آپ کو یہاں بھیجا ہے اور آپ مذہب تک کو بھلا تلتے نظر آ رہے ہیں۔ یہ ماہا بیگم کس خانے میں فٹ ہوں گی؟"

"فکر کیوں کر رہے ہو یار۔ میرے دل کے ابھی تین خانے مزید خالی پڑے ہیں۔"

اس کا انداز شریر تھا۔ فرحان اسے مصنوعی خفگی سے گھورنے لگا۔

"کیا تمہیں ماہا پسند نہیں آئی؟"

"میں نے ایسا کب کہا۔"

"تمہیں اس لڑکی سے محبت ہے؟"

"میں نے ایسا بھی نہیں کہا۔"

"پھر؟"

"ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ ویسے یار اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ سوچیں گے، سمجھیں گے آرام سے کسی نتیجے پر پہنچیں گے۔"

"مجھے تو تمہاری منطق سمجھ میں نہیں آ رہی۔ آخر آنٹی، انکل کو جا کر تم کیا جواب دو گے؟"

"اٹ از مائی ہیڈیک۔ اونلی مائی ہیڈیک۔ او کے۔"

"او کے مگر شادی ختم ہوئے ہفتہ بھر ہونے کو ہے۔ واپس کب چلنا ہے۔ مجھے تو وطن کی یاد شدت سے آ رہی ہے۔"

"وطن کی نہیں اس کالی بلی کو یاد کرو۔" وہ یکدم ہنس پڑا۔

"خبردار جو اسے کالی بلی کہا، تمہاری ہونے والی بھابی ہے وہ، اور فرح نام ہے اس کا۔" فرحان نے اسے کشن مارتے ہوئے تنبیہ کی۔ وہ شیشے کے سامنے کھڑا ہو کر اپنا جائزہ لے رہا تھا۔ فرحان نے اپنے اونچے لمبے۔ پُر وجیہہ پر سنالٹی کے حامل کزن اور دوست کو دیکھا، اور مسکرا دیا۔

"ویسے لڑکی اچھی ہے واقعی۔ کیا نام ہے اس کا؟"

"کس کا؟" وہ یکسر انجان بن گیا۔

"اس سانولی شام کا؟" فرحان نے شرارت کی۔

"خبردار، پوجا نام ہے اس کا۔ سانولی شام۔ ویسے یہ نام بھی برا نہیں، لیکن اسے خطابات والقابات سے نوازنے کا حق فقط مجھے ہے۔"

"تمہاری میراث کب سے بن گئی وہ؟" وہ شوخی سے مسکرایا۔

"جب سے نظروں کے رستے دل میں گھسی ہے۔" اعیان عمر شیخ نے بھی برجستہ جواب دیا تھا۔

"ویسے کیا تم اس معصوم سی لڑکی کے ساتھ اس طرح فقط ٹائم پاس کر کے غلطی نہیں کر رہے؟" فرحان کو اس بھولی سی صورت والی لڑکی پر اچانک ہی ترس سا آ گیا۔

"تمہیں کس نے کہہ دیا کہ میں اس کے ساتھ ٹائم پاس کر رہا ہوں؟" وہ خود پر پرفیوم اسپرے کرنے لگا۔

"گویا سیریس ہو۔ اس معاملے میں؟"

"میں نے ایسا بھی نہیں کہا۔" وہ بولا تو فرحان نے اسے کشن کھینچ مارا، اور تب وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگا۔

✦◈✖

وہ ابھی کلاس لے کر باہر نکلی تھی، اور آ کر اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھی ہی تھی، کہ اچانک دو بھاری قدم چلتے ہوئے اس کے قریب آن رکے۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا، اور نگاہ جیسے ساکت رہ گئی۔ وہ ایک اٹل حقیقت کی مانند اس کے روبرو تھا۔

"آپ؟ لیکن ماہا تو آج نہیں آئی۔"

"ماہا کو ملنے کے لیے مجھے یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی، اسے تو میں گھر میں بھی سیکڑوں بار بلا تامل مل سکتا ہوں۔" اس کا جواب اتنا منفصل تھا کہ پوجا کے لب جامد ہو گئے۔ وہ مزید کچھ آگے کہہ ہی نہ سکی۔ وہ اس کے قریب ہی گھاس پر بیٹھ گیا۔ پوجا کی جان جیسے فنا ہونے لگی۔ ارد گرد کے ماحول پر ایک نگاہ ڈالی۔ اسے ایسا لگا جیسے ہر کوئی اسی کی طرف متوجہ ہو۔

اعیان عمر شیخ شاید اس کی کیفیت بھانپ گیا تھا، تبھی مضبوط لہجے میں بولا۔

"دنیا کی پروا مت کرو۔ کیونکہ دنیا ہماری کبھی پروا نہیں کرتی۔"

"لیکن پروا کرنی پڑتی ہے۔" وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔ تو وہ اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔

"خوشی ہوئی جان کر کہ آپ بھی منہ میں زبان رکھتی ہیں۔" اور تب جانے کیوں وہ سختی کے ساتھ ہونٹ بھینچ کر ساتھ ہی سر جھکا گئی۔

"پوجا۔" اس نے پکارا۔

"ہوں۔" اس نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا۔

"میں نے تمہیں اپنے دل کی بات بتا دی۔ کیا تم مجھے اپنے دل کی بات نہیں بتاؤ گی
اپنی مرضی سے آگاہ نہیں کرو گی؟"

اف۔ دل میں لاکھ طوفان سہی' لیکن کہنے کا یارا کسی میں ہے۔

"مم...... میری کلاس...... ہے۔" وہ یکدم اٹھنے لگی۔

"میں جانتا ہوں۔ تمہاری کلاس ابھی ختم ہوئی ہے' اور دوسری کلاس شروع ہونے میں
ابھی بہت وقت ہے۔" وہ مضبوط انداز میں بولا' تو وہ اسے ایک نظر دیکھ کر سر جھکا گئی۔

"کیا...... کیا چاہتے ہیں آپ مجھ سے؟"

"اپنا مدعا بیان کر تو چکا ہوں۔ کیا تم دوبارہ میری زبان سے سننے کی آرزومند ہو؟"
اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا تو وہ ٹپٹا کر رہ گئی۔

"میرے...... میرے پاس کوئی جواب نہیں۔"

"کیوں؟"

"پتا نہیں۔" اس کا انداز معصوم اور بھولا تھا' شکست آمیز۔ ہتھیار ڈالنے والا اور نہ
جانے کیوں اعیان عمر شیخ کو اس پر ترس آ گیا' نظریں اس کے چہرے پر سے ہٹا لیں'
دھیرے سے دوستانہ انداز میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"مجھ پر یقین کرتی ہو؟" پوجا کو جیسے بجلی کا کرنٹ چھو گیا۔ ہاتھ اس کی گرفت سے نکالنا
چاہا' مگر وہ اس کی جانب قطعی متوجہ نہ تھا۔ ہاتھ پر بنا مہندی کا ڈیزائن جو کہ اس نے ماہا
بہن کی شادی میں شرکت کے لئے بنوایا تھا' کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو میں ٹھیک سے جانتی تک نہیں' آپ اعتبار و یقین کی بات کر رہے ہیں؟"
اتنے یقین و مضبوط اعتماد بھرے لہجے میں بولی کہ وہ اسے یکدم دیکھنے لگا۔

"یعنی کہ اگر تم مجھے جاننے لگو تو مجھ پر یقین کر لو گی؟" وہ مسکرا کر بولا۔ مگر وہ ا
کتاب کھول کر یونہی ورق گردانی کرنے لگی۔

"پوجا! میری طرف دیکھ کر بات کرو۔ جواب دو مجھے۔"

"میں آپ سے بات نہیں کر سکتی۔"

"کیوں ڈرتی ہو مجھ سے؟" وہ شرارت سے مسکرایا۔

"نہیں۔"

"پھر؟"

"آپ...... آپ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں؟"

وہ زچ ہو کر بولی۔ اعیان خاموش ہو گیا اور اس کی نوٹ بک اٹھا کر یونہی صفحے الٹنے
لگا۔ اچانک ایک جگہ اس کی نگاہیں منجمد ہو گئیں۔ ورق پر جگہ جگہ' جابجا اس کا نام لکھا گیا تھا اور
پھر مٹایا گیا تھا۔

لکھ کے کاغذ پہ میرا نام مٹاتے کیوں ہو
ہم سے اقرار کرو پیار چھپاتے کیوں ہو

پوجا سر اٹھا کر یکدم اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اس نے کھلی ہوئی نوٹ بک اس کی
آنکھوں کے سامنے ثبوت کے طور پر پیش کر دی۔

"یہ لفظ تمہارے اقرار کا ثبوت ہیں۔ گواہ ہیں میری محبت کے۔" اس کے چہرے پر
مسکراہٹ تھی۔

پوجا کی وہ کیفیت تھی کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ اس نے بمشکل خود پر کنٹرول کرتے
ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیر کر انہیں تر کیا' مگر جواب کوئی نہ تھا' گویا اس کے اپنے فراہم کیے
گئے ثبوت نے اسے لاجواب کر دیا۔ اس کی قوت گویائی سلب کر دی تھی۔ وہ بمشکل اس سے
نظریں چرا کر گھاس پر دیکھنے لگی تھی۔ تبھی وہ نوٹ بک ایک طرف رکھتے ہوئے دھیمے انداز
میں بولا تھا۔

"بھولی لڑکی اگر میں کہوں کہ یہ حقیقت میں پہلے ہی سے جان چکا تھا تو؟"

"کیسے؟" وہ بلا ارادہ بول گئی' پھر احساس ہوا تو فوراً ہونٹ دبا کر سر جھکا گئی۔ تبھی وہ
مسکراتا ہوا بولا۔

"تمہاری ان آنکھوں سے' میں چہرہ شناس نہیں' مگر تمہارا چہرہ ایک ایسی دلچسپ اور
دلکش کتاب ہے کہ بے ساختہ پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔" وہ معصومیت سے بولا تو وہ دھیرے
سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ جیسے کوئی بچہ اپنی چوری پکڑے جانے پر شرمندہ اور نادم
ہوتا ہے۔ بالکل اس گھڑی وہ بھی سر جھکائے اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

"تم خوفزدہ کیوں ہو؟" وہ اس کی کیفیت بھانپ کر بولا تھا۔

"مجھے ڈر لگتا ہے۔" اس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

"کیوں؟"

"پتا نہیں۔"

"مگر کس سے ڈرتی ہو تم؟"

"بابو جی سے' خود سے اور اس ساری دنیا سے۔"

"کیوں محبت کوئی گناہ تو نہیں پھر؟"

"یہ سب کتابی باتیں ہیں۔ حقیقت بہت تلخ اور کڑوی ہے۔" اس نے حقیقت پسندی کا ثبوت دیا۔ وہ متاثر کن انداز میں اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"حقیقت کو مارو گولی۔ دل کی بات مانو۔"

"دل تو پاگل ہے' دل دیوانہ ہے۔ میں دماغ سے فیصلے کرنے کی عادی ہوں۔"

"خوب۔" اس نے جیسے اس کی حاضر جوابی کو سراہا۔ "لیکن دماغ کے فیصلے بڑے حاکمانہ ہوتے ہیں۔"

"دل بھی تو جذباتی حکم صادر کرتا ہے۔"

"دماغ کی مان کر سدا پچھتاتا رہتا ہے۔"

"مگر حاکم تو پھر بھی دل ہی ہے۔"

"میں نہیں مانتی۔"

"گویا تم دماغ کے فیصلے کو ترجیح دو گی۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا پوچھنے لگا اور گویا پوجا کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر دبا ڈالا۔ خاموش ہو کر بے بسی سے ہونٹ کچلنے لگی اور تب وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ آہستہ سے شہادت کی انگلی سے اس کا چہرہ اٹھایا' اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ "کیا اب بھی دماغ کی ہی مانو گی؟" اور اس ایک جملے میں کیا' کیا کچھ باور نہ کروا گیا تھا وہ۔

پوجا کی نگاہ اس کی نگاہوں سے لمحہ بھر کو ٹکرائی اور ساکت رہ گئی۔ وہ ساحر آنکھوں میں ہزار ہا جگنو سمیٹے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہار سے کیوں خوفزدہ ہو؟"

"ہار سے نہیں دنیا سے خوفزدہ ہوں۔" وہ سر جھکا کر بولی۔ "میرے اور آپ کے درمیان مذہب کی دیوار کھڑی ہے۔"

"کیا میری مضبوطی پر تمہیں یقین نہیں؟"

"کیا' آپ مجھے اس دنیا سے بچا سکیں گے؟" اس نے الٹا سوال کر دیا۔

"اگر میں کہوں ہاں تو؟"

"اگر مگر کی بات چھوڑیے۔ حتمی بات کیجئے۔" اور وہ اس کی بہادری اور ذہانت پر جیسے لاجواب ہو کر رہ گیا۔

"تم جتنی معصوم نظر آتی ہو' اتنی واقعی ہو نہیں۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"یہ میری بات کا جواب نہیں۔" وہ اتنے ہی مضبوط انداز میں بولی۔

"اتنی سی عمر میں اتنی پریکٹیکل قسم کی سوچ؟"

"اگرچہ میری عمر خوابوں کے جزیروں پر قیام کی ہے' مگر میں خوابوں میں رہنے کے بجائے حقیقت میں رہنے کی قائل ہوں' اگر آپ مجھے سبز باغ دکھا کر فقط وقت گزارنا چاہ رہے ہیں' تو یقیناً آپ غلط جگہ پر وقت ضائع کر رہے ہیں۔"

اتنی سی عمر اور اتنی گہری اور مضبوط سوچ۔ وہ محوِ حیرت اسے دیکھے گیا۔ شکل وصورت سے معصوم سی بھولی سی نظر آنے والی' کالج کے پیکر والی لڑکی کی سوچ کس قدر مضبوط تھی۔ یقیناً وہ کوئی عام لڑکی نہیں تھی' اور یہ بات وہ اس کی گفتگو سے جان گیا تھا۔ گفتگو واقعی انسان کا آئینہ ہوتی ہے۔ اسے بھی اس کی حقیقت پسندی پر حیرت بھی ہو رہی تھی' اور وہ اس کی ذہانت وعقل وفراست سے متاثر بھی ہوا تھا۔ بہرحال اسے ساتھ ہی افسوس بھی ہوا تھا' کہ اس نے اسے ایک عام شخص جانا۔

"افسوس کہ تم نے مجھے بہت سطحی انداز کا انسان سمجھا۔ بہرحال تمہاری سوچ حقیقت پر مبنی ہے۔ آج کل واقعی کسی پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ مجھے تمہارا یہ انداز بھی پسند آیا۔" وہ دلکشی سے مسکرایا' تو وہ سر جھکا گئی۔ تبھی اس کی نگاہ رسٹ واچ پر پڑی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"سوری میری کلاس کا وقت ہو گیا ہے۔" وہ اٹھنے لگی تھی' جب اس نے اس کی کلائی تھام لی۔

"کیسا یقین چاہتی ہو تم؟"

”یقین محکم۔“ وہ کتابیں سمیٹنے لگی۔

”شادی کروگی مجھ سے؟“ وہ اس کا ہاتھ یونہی تھامے تھامے بولا اور وہ جیسے اس لمحے ساکت سی رہ گئی۔

اردگرد جیسے لاتعداد روشنیاں بکھر گئیں' پھوار سی برسنے لگی' نغمگی گونجنے لگی' بہاریں رقص کرنے لگیں۔

اسے جیسے اپنی سماعتوں پر یقین ہی نہ آیا۔ تبھی بے یقینی سے اسے تکتی چلی گئی۔

”کیا؟“

”شادی کروگی مجھ سے؟“ اس نے مسکراتے ہوئے اس کی گہری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اپنا سوال پھر دہرایا' اور تب یکدم ہی اس کی نگاہیں حیا سے بھر گئیں۔ لانبی پلکیں لرزیں اور آخر کار جھک گئیں۔ اس نے اس ہاتھ سے اپنی کلائی کھینچی اور ہوش میں آتی ہوئی بولی۔

”میں ہندو ہوں۔“

”میں مسلمان کرلوں گا۔“ اعیان عمر شیخ اس کے سبز آنچل کو پکڑتے ہوئے بولا' تو وہ ایک دم چونک پڑی اور بڑی ہی عجیب نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

”مجھے سوچنے دو۔ اتنا بڑا فیصلہ اچانک نہیں ہوسکتا۔ میں اپنا دھرم چھوڑ سکوں گی یا نہیں' فی الحال اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔“ پوجا لڑکھڑاتی زبان سے بولی۔

”میں اندازہ لگا چکا ہوں کہ اسلام کی طرف تمہارا رجحان بہت زیادہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم میرے حق میں فیصلہ کرنے میں کامیاب ہوجاؤ گی۔“ اس نے پُر یقین لہجے میں کہا۔

”اب میں چلتی ہوں۔ مجھے موقع دو کہ تمہارے حق میں فیصلہ کرسکوں۔“ وہ نظریں جھکا کر بولی۔

”ایک اور بات' بلکہ دلیل۔ کہہ دوں؟“

”کہو؟“

”میں جانتا ہوں کہ اب تم کسی اور سے شادی نہیں کرسکو گی' خواہ وہ تمہارے دھرم کا ہو' لہٰذا تم اسلام قبول کرلو۔“

پوجا کو اسے اس کے لفظوں پر ایمان لانا ہی پڑا تھا۔ مگر وہ تنہا یہ سب کیسے کرسکے گی۔ بابوجی کو راضی کرنا ممکن نہیں تھا' اور ان کی مرضی معلوم کرنا یا اجازت طلب کرنا تو دور کی

بات اس کی زبان تو یہ راز کھولنے کی سکت بھی نہ رکھتی تھی۔

کیا وہ بابوجی کے بغیر' ان کی مرضی کے بغیر یہ انتہائی قدم اٹھا سکتی تھی؟

”یقیناً نہیں۔“

مگر انہیں آگاہ کرنا بھی تو ایک قیامت تھا۔

”وہ کٹر ہندو ہیں۔“

کیسے ایک غیر مذہب شخص کو اپنی بیٹی کے لئے قبول کرسکتے تھے۔ وہ یقیناً یہ سن کر ہی شاید پوجا کو جان سے مار ڈالتے۔

پھر؟

وہ بواجی کو اعتماد میں لینا چاہتی تھی۔ مگر وہ ان دنوں یاترا پر چلی گئی تھیں۔

پھر اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تھا کہ کیا کرے؟

دل جہاں یکدم خوشی سے بھرا تھا' وہیں اب نئے حالات کے باعث کچھ الجھ بھی گیا تھا' ایک طرف خاندان تھا' باپ تھا' پھوپھی تھی' مذہب تھا' اور دوسری طرف دل تھا' محبت تھی' پیار تھا' جذبے تھے' ایک مضبوط ہمسفر تھا۔ جس نے اس کی ذمے داری لی تھی۔ جس نے اس کی ڈھال بننے کا وعدہ کیا تھا۔

وہ جو پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط تھا۔

اب کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔

”دل رکھتی تھی تو رشتے نہ رہتے تھے' اور اگر رشتے رکھتی تھی' تو محبت سے ہاتھ دھو بیٹھتی تھی' اس کی سمجھ میں فی الحال کچھ بھی نہیں آرہا تھا کہ تقدیر اس کے ساتھ کیا کرنے والی تھی۔

بہرحال اس نے خود کو تقدیر کے حوالے ضرور کردیا تھا۔

✦ ◈ ✖

کبھی کبھی بہت چھوٹی چھوٹی باتیں اندر تک خوشی بھر دیتی ہیں۔

اور کبھی بڑی سے بڑی خوشی بھی مطمئن کر نہیں پاتی۔

کبھی پت جھڑ میں بھی بہار کا سا عالم ہوتا ہے' اور کبھی بھری بہار خزاں کی صورت!

سچ کہا ہے کسی نے کہ سارے موسم ”اندر“ کے ہوتے ہیں۔

اور جیسا ”اندر“ ہوتا ہے' ویسے ہی رنگ سارے موسم اختیار کر جاتے ہیں۔

تازہ محبتوں کا نشہ تھا کہ اولین جذبوں کا خمار!
اس کے لہجے کی ہر بات دل تک میں سرایت کرجاتی۔

وہ ان دنوں بے حد سرشار تھی۔ بے حد خوش تھی مگر کہتے ہیں نا کہ اچھے دنوں کی مدت ہوتی ہے' اور اگرچہ اس بات سے واقف تھی' مگر پرُ امید بھی تھی تبھی جب اس دن وہ ملا تو اس کا سنجیدہ انداز محسوس کر کے بھی کچھ نہیں بولی' وہ ماہا کی موجودگی میں کبھی بھی اس سے نہیں آیا تھا۔ پہلی دو چار ملاقاتیں کالج میں ہوئیں' اور ان دنوں ماہا نہیں آ رہی تھی' پھر وہ لوگ پارک میں ملنے لگے اگرچہ یہ ایک بولڈ اسٹیپ تھا کہ اگر کوئی دیکھ لیتا تو یقیناً پوجا کے حق میں بہت برا ہوتا' مگر کہتے ہیں نا کہ عشق انسان کو بہادر اور نڈر بنا ڈالتا ہے۔ سو وہ بھی کچھ بہادر ہوتی جا رہی تھی' اب بھی وہ پارک کے ایک ایسے گوشے میں تھے' جہاں آمد و رفت نہ تھی' وہ اس کے سامنے خاموش سا بیٹھا تھا۔

وہ اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی تبھی وہ یکدم بول پڑا۔

''پوجا میں جا رہا ہوں۔''

''کیا؟''

''ہوں' بہت کم وقت ہے میرے پاس۔''

''لیکن تم نے تو کہا تھا کہ مجھ سے شادی۔'' اس کا لہجہ یکدم دم توڑ گیا اور تب وہ اس کی سمت دیکھنے لگا۔

''ایک تو تم عورتیں جانے کیوں بہت جلد کوئی بات اخذ کر جانے کی عادی ہوتی ہو' مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔ کیا تمہیں جب کہا ہے تو فقط فریب تو نہیں دیا' میرے جذبوں کی صداقت پر یقین نہ کر کے تم مجھے میری نظروں میں بے توقیر کر رہی ہو!'' وہ بے حد خفا نظر آ رہا تھا۔

''میرا۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا۔'' وہ یکدم بول پڑی۔

''بہرحال! یہی بات میں تم سے کرنا چاہ رہا تھا۔ میں تم سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور ابھی میرا دوست اور کزن فرحان ایک قریبی ہوٹل میں گواہوں اور قاضی کے ساتھ ہمارا منتظر ہیں۔ میں تمہیں لینے آیا ہوں' دونوں کام اسی وقت ہوں گے' تم پہلے اسلام قبول کر لو بعد میں میں فوراً نکاح پڑھواؤں گا۔''

بات اتنی غیر متوقع اور اچانک تھی' کہ وہ کتنے ہی لمحے بت بنی اسے تکتی رہی۔ آنکھوں

میں حیرت بے حد واضح تھی' تبھی اعیان اسے دیکھنے لگا۔

''سوچنے کا مرحلہ گزر چکا ہے پوجا!''

''مگر میرے بابوجی ...... بواجی!'' بہت گھٹی گھٹی سی آواز اس کے حلق سے برآمد ہوئی تھی۔

''میں نے بھی یہ فیصلہ تنہا کیا ہے' پوجا زندگی ہمیں بسر کرنی ہے' ہماری زندگی ہے' یہ اور اسے جینے کا حق بھی فقط ہمیں ہے۔''

''لیکن میں اتنا بڑا قدم اس قدر اچانک کس طرح اٹھاؤں اور پھر تنہا۔ میں نے تو کسی کو بھی راز میں شریک بھی نہیں' کسی سے مشورہ بھی نہیں کیا' کسی کو آگاہ بھی نہیں کیا۔''

''پوجا۔ بچوں جیسی باتیں مت کرو۔ اب باقاعدہ اعلان کرنے سے تو رہے ہم۔''

''ایسی بات نہیں مگر۔''

''کیا تم ایسا نہیں چاہتیں۔''

''مگر تم تو چلے جاؤ گے۔'' اس نے آنسوؤں کے درمیان کہا۔

''واپس بھی تو آؤں گا۔ تمہیں لینے۔''

''لیکن اگر تمہارے گھر والوں نے مجھے قبول نہ کیا تو؟''

''شادی تم سے میں کر رہا ہوں' میرے گھر والے نہیں۔''

''شادی ایک خاندان کا دوسرے خاندان سے سمبندھ کا نام ہے۔''

''فی الحال ایسا ممکن نہیں ہے' لیکن بعد میں ہم دونوں مل کر سب کو کنونس کر لیں گے۔''

''مگر میں کس طرح؟'' اس کا ذہن قطعی تیار نہ تھا۔

''تم اس فیصلے پر راضی ہو یا نہیں؟'' وہ جارحانہ انداز میں پوچھنے لگا' اور وہ تب خاموشی کے ساتھ سر جھکا گئی۔

ایک طرف کنواں تھا' دوسری جانب کھائی۔

''دل رکھتی تو ...... خاندانی وقار قائم نہ رہتا' اور خاندانی عزت کا پاس کرتی تو دل ہمیشہ کے لیے ساکت ہو جاتا' وجود برف کی سل بن جاتا' بے جان مردہ اور مردہ وجود کے ساتھ بھلا کوئی کیسے جی سکتا ہے۔

وہ جو اپنا آپ اتنا چھپا کر رکھنے کی قائل تھی' ہاری بھی تھی تو کہاں۔

"اس نے تو ماہا کو بھی ابھی شریک راز نہ کیا تھا' حالانکہ وہ اس کی عزیز ترین دوست تھ
مگر شاید محبت کرنے والے دل بے حد محتاط بھی ہو جایا کرتے ہیں' اپنے سائے سے بھی خوف
کھاتے ہیں' خود سے خود کو چھپا کر رکھنا چاہتے ہیں' اور وہ بھی باعث خوف اس راز کو کہ
افشانہ کر سکتی تھی۔

دل سینے میں زخمی پرندے کی مانند پھڑ پھڑا رہا تھا۔ آواز اتنی تھی کہ کان پھٹے جار
تھے۔ وہ زمین کے سینے پر مضبوطی کے ساتھ کھڑا چہرے پر کوئی تاثر لیے بغیر اس کی جانب تک
رہا تھا' اس نے ایک لمحے کو آنکھیں زور سے بھینچ لیں۔ رخسار اشکوں سے متواتر بھیگ ر
تھے' اندر باہر جلن ہی جلن تھی' فیصلے کی گھڑی یقیناً بہت مشکل ہوتی ہے' کسی امتحان سے!
زیادہ مشکل۔

اور اسے بھی لمحہ بھر میں فیصلہ کرنا تھا۔

مگر ذہن و دل میں سے کوئی بھی اپنی شکست ماننے کو تیار نہ تھا۔

اعیان عمر شیخ نے بہت اکتائے ہوئے انداز میں اس کی جانب دیکھا' پھر جیسے وہ مایا
ہو کر واپس مڑا اور پوجا کے دل کی دھڑکنیں جیسے یکدم ساکت ہو گئیں۔ دل جیسے دھڑکنا بھ
گیا' آنکھیں یکدم ہی بینائی کھونے لگیں۔ (اس کا عکس ہی تو آنکھوں کا نور تھا۔ وہ نہ ر
بھلا باقی کیا بچتا۔) وہ چلا جاتا تو یقیناً وہ تہی داماں رہ جاتی۔

زندگی ہمیشہ کے لئے ویران صحرا بن جاتی!

اس کے لب یکدم کھلے۔ "اعیان!"

وہ رک گیا پلٹا نہیں' اور تب وہ جلدی سے بیگ اور کتابیں سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہ
زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ اس نے تنہا ہی کر لیا تھا۔ حالت ایسی تھی کہ چلنا محال تھا۔ قدم لڑ
رہے تھے۔ سر چکرا رہا تھا۔

"اعیان پلیز مجھ سے چلا نہیں جا رہا۔" وہ بمشکل بولی' وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا یکدم
گیا۔

"کیا بانہوں میں اٹھا لوں۔" اس کا انداز شریر تھا' چہرے سے فتح مندی کا احساس
حد نمایاں انداز میں ظاہر ہو رہا تھا' آنکھیں فتح کے نشہ سے سرشار تھیں' وہ شپٹا کر رہ گئی
نظریں جھکا گئی' کیسے بول رہی تھیں اس کی سیاہ نظریں' آنکھیں گفتگو کا ہنر بھی جانتی ہیں'

سے قبل وہ نہیں جانتی تھی۔ اور ساتھ ہی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی اس کے پیچھے بائیک پر
آن بیٹھی' چہرہ دوپٹے سے اچھی طرح چھپا لیا' مبادا کوئی دیکھ نہ لے اس نے ڈرتے ڈرتے
اس کے شانے پر اپنا ہاتھ دھرا۔

"صحیح طرح پکڑو نا مضبوطی کے ساتھ۔" اس کی سانسیں پھر جیسے بے ترتیب ہونے لگیں'
اس شخص کی قربت یوں بھی محال ہوا کرتی تھی' کجا اتنی قربت اس نے بہت دھیرے سے ہاتھ
دھرا ہوا تھا' مگر جیسے اس کے اندر بجلی دوڑی جا رہی تھی۔

"گر گرا گئیں تو میرا ذمہ نہیں ہوگا' ویسے تمہارا ارادہ کیا مجھے شادی سے قبل ہی رنڈوا
کرنے کا ہے؟" وہ از راہ مذاق بولا تھا' اور تب اسے اس کے شانے کو مضبوطی کے ساتھ تھامنا
ہی پڑا تھا۔

✦◈✖

اوراس نے اپنا دھرم چھوڑ دیا۔ وہ اسلام قبول کر چکی تھی۔ اعیان نے اس کا نا
تجویز کیا تھا۔ وہ سر جھکائے بہت ملول سی بیٹھی تھی۔ ابھی ابھی اس نے نکاح نامے
کیے تھے۔ گواہوں کی موجودگی میں اس شخص کو قبول کیا تھا۔ اسے پانا اگرچہ اس کی
اولین سہانا خواب تھا۔ کچی عمر کی ریشمی پلکوں پر بنی خواہش تھی' مگر اس طرح اور ا
میں اسے جیسے یقین نہ آ رہا تھا۔

وہ خود سے پرائی ہو چکی تھی۔ اپنا آپ کھو چکی تھی' اپنا دین' اپنا مذہب' سب کچھ
تن' سب کا مالک یکدم ہی کوئی اور بن بیٹھا تھا۔

وہ جیسے ایک خواب کے سے عالم میں تھی کہ تبھی وہ دروازہ کھول کر اندر داخل
اپنے دوستوں اور مولوی صاحب کو چھوڑنے کے بعد واپس پلٹا تھا۔ ہوٹل کے اس
کمرے میں اسے اس طرح افسردہ سی بیٹھی دیکھ کر وہیں رک گیا۔

''پچھتا رہی ہو کیا؟''

وہ یکدم سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ دل یکبارگی دھڑکا۔ وہ اپنائیت سے مسکرا رہا تھ
آنکھوں کے جذبے جیسے اسے جلا کر خاکستر کرنے کو تھے۔ دھیمی دھیمی سلگتی آنچ جیسے
کی طرح پگھلانے کو تھی۔ وہ گھبرا کر یکدم نظریں جھکا گئی۔ دل جیسے پسلیاں توڑ کر
تھا۔ وہ اب مکمل طور پر اس کی تھی۔ بیچ میں کوئی دیوار نہ تھی۔ ریت کی' سماج کی' مذہ
وہ ہر طرح سے اپنا تھا' لیکن دل جانے کیوں دھڑکے جا رہا تھا۔ شاید اس
حیا کو دخل زیادہ تھا۔ اُن چھوئے جذبات کی طغیانی تھی یہ۔ وہ طوفان سا برپا کیے
پورے وجود میں۔ اندر باہر ہلچل ہی ہلچل تھی۔

اعیان نے مسکراتے ہوئے اس کا سرخ چہرہ دیکھا اور پھر آگے بڑھ آیا۔ جم

اس کے بڑھتے ہوئے قدموں پر پڑیں تو دل اچھل کر جیسے حلق میں آ گیا۔ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی مگر نقاہت ''رونے کے باعث'' اس قدر تھی کہ لڑکھڑا کر رہ گئی۔ اعیان نے فوراً ہی آگے بڑھ کر اسے اپنی مضبوط پناہ میں لے لیا۔

''ہوش کھونے تو ہمیں چاہئیں اور کھو آپ رہے ہیں۔ ساقی کو اس حالت میں پہلی بار دیکھا ہے۔'' اس کا لہجہ مدھر تھا۔ دھیما مگر جذبوں کی حدت سے دہکتا ہوا' اور وہ جو اسے دیکھ کر ہی ہوش کھو رہی تھی' اس کی گرفت میں جیسے اس کی جان ہوا ہونے لگی۔ اتنے قریب کے تعلق کو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اس کے دل کی تو بس یہی خواہش تھی۔

کبھی کبھار اسے دیکھ لیں' کہیں مل لیں
یہ کب کہا تھا کہ وہ خوش بدن ہمارا ہو

اور اس وجود کی رسائی کے متعلق تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا۔ وہ فوراً اس کی مضبوط پناہ سے مچل کر نکل آئی۔

''پلیز مجھے گھر...... گھر چھوڑ آئیں مجھے۔'' اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ نظریں مسلسل جھکی ہوئی تھیں کہ حیا کا بار ہی اتنا تھا' پھر اس کی نظروں کا مقابلہ کرنے کی سکت کس میں تھی۔ وہ تو پہلے ہی نڈھال تھی۔ دل سے ہی ہاری بیٹھی تھی' پھر ایک نئے محاذ پر جنگ کیسے لڑتی۔

وہ اس کے انداز پر بے ساختہ مسکرایا۔ وہ سر جھکائے ہونٹ کاٹتی ہوئی دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ وہ چلتا ہوا اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ کچھ کہے بغیر اسے تکتا چلا گیا۔ اس کی نظروں کی تپش کو سہنا اس کے لئے محال تھا۔ تبھی یکدم اس نے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ کلائیوں میں پڑی چوڑیاں یکدم چھنک گئیں۔ اعیان نے اسے ایک نظر دیکھا پھر اپنے مضبوط ہاتھوں سے اس کی نازک ہاتھ تھام لیے' اور اس کا چہرہ بغور دیکھنے لگا۔

''ایسے انداز اختیار مت کرو کہ میں خود پر قابو نہ رکھ سکوں۔ بندہ بشر ہوں' فرشتہ نہیں' بہک بھی سکتا ہوں اور اس صورت میں تو اور بھی کہ ملکیت کا احساس بھی دوچند ہو۔'' اس نے استحقاق سے اس کے وجود کو اپنی باہوں میں سمیٹ لیا۔ اس کے لئے جیسے سانس لینا محال ہو گیا۔

''جمیلہ! نئی زندگی کی شروعات کر رہے ہیں ہم' نئے بندھن میں بندھ چکے ہیں۔ خصوصاً

تم تو واقعی نئی زندگی کی ابتداء کر رہی ہو' نئے مذہب وعقیدے کے ساتھ تمہیں اپنا نیا نام
آیا؟"

"ہاں۔ بہت۔"

"ویسے محبت کے تو کئی نام ہیں۔ جانم' جاناں' جانوں' ڈارلنگ۔"

"ہوں۔" اس نے بمشکل اثبات میں گردن ہلائی' پھر ذرا اس کی طرف دیکھ کر
بولی۔

"پلیز مجھے گھر......" اور تبھی اس نے اس کے ہونٹوں پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھ دیا۔

"آج جانے کی ضد نہ کرو۔" اس کی دھڑکنیں جیسے تھمنے سی لگیں' اس کا لہجہ' انداز
بے خود تھا' خمار آلود۔ بہکا' بہکا سا۔

"آپ...... آپ بہک رہے ہیں۔" وہ جانے کیسے کہہ گئی۔ وہ پہلے چونکا پھر دلکش
مسکرا دیا۔

"آپ کو دیکھ کر کوئی ذی روح ہوش میں نہیں رہ سکتا' اور میں فرشتہ نہیں ہوں۔ یہ
پہلے ہی باور کرا چکا ہوں۔" وہ نظریں جھکا گئی۔

ہماری آنکھ سے خود کو جو دیکھ لیتے کبھی
تمہارے ہاتھ سے آئینے گر گئے ہوتے

"بابو جی۔ انتظار......"

"اوں ہوں۔ ذرا جی بھر کے دیکھ تو لینے دو۔"

"بابو جی کو آپ جانتے نہیں وہ......"

"اب آپ ہماری ہیں۔ کوئی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ کیسے قائل کرے اسے۔ تبھی وہ بولا۔

"میاں' بیوی ایک دوسرے کے لئے ہوتے ہیں۔ ان کے درمیان کسی تیسر
آنا چاہیے۔"

"مگر بابو جی......"

"اچھی بیویاں اپنے شوہروں کی تابعدار ہوتی ہیں۔ ہم دونوں عاقل و بالغ ہیں
قانون اور شریعت نے ہمیں ایک ساتھ زندگی بسر کرنے کی اجازت دی ہے' تمام وہ

سے نکال پھینکو۔" وہ مسکراتا ہوا کہہ رہا تھا۔

"لیکن وقت......" اس نے رسٹ واچ کی جانب نگاہ ڈال کر کہا۔

"ہاں وقت تو واقعی قیمتی ہے۔" اس کا لہجہ ذومعنی تھا۔ "اور کم بھی۔" اس نے اپنا مکمل
استحقاق استعمال کرتے ہوئے اسے دل کے بے حد قریب کر لیا۔ اس کے جسم کی خوشبو' قربت
کی تپش اس کے حواس جیسے سلب کر رہی تھی۔ وہ پتھر نہ تھی۔ موسم و حالات جس پر اثر انداز نہ
ہوتے۔

ایک نازک سی لڑکی تھی' موم سی نرم۔

جذبے اور احساس رکھنے والی۔

اور اعیان عمر شیخ کے جذبوں کی تپش نے آخر کار اسے پگھلا دیا تھا۔

جائز وارث تھا وہ اس کا۔

اس کے احساسات و جذبات کا۔

من کا' تن کا۔

پھر؟

تعرض کی وجہ بھی تو کوئی ٹھوس نہ تھی' بلکہ تعرض کی گنجائش نکلتی ہی کہاں تھی۔

اس نے اپنا پیاسا تن من اس مہربان بادل کے حوالے کر دیا تھا۔

✦◈✖

شام کے پانچ بج رہے تھے' جب وہ گھر میں داخل ہوئی۔ نظریں جھکی ہوئی تھیں' چال
میں لڑکھڑاہٹ بے حد واضح تھی۔

"پوجا اتنی دیر' کہاں تھی تُو؟" بابو جی نے کڑے تیوروں سے اسے دیکھا تھا۔

"وہ...... وہ کالج میں ایگزیم ہونے والے ہیں۔ نوٹس بنا رہی تھی۔" بمشکل کہہ کر وہ
اپنے کمرے تک آئی تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا۔ بابو جی مطمئن ہوئے تھے یا نہیں' مگر اتنی خبر تھی
کہ اگر وہاں مزید کچھ دیر کھڑی رہتی تو یقیناً وہ گر جاتی۔ اسی لیے وہاں سے ہٹ گئی تھی' اور
کمرے میں آکر جیسے اسے مضبوط پناہ ملی تھی۔ بابو جی کو شاید اس کی بات پر اعتبار آگیا تھا'
تبھی وہ پیچھے مزید کچھ پوچھنے نہیں آئے تھے' اور اس نے سکھ کا گہرا سانس لیا تھا' مگر جانے
کیوں اچانک ہی احساس جرم ہونے لگا تھا۔

اس نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔
مگر جانے کیوں اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔
"بابوجی میں نے آپ کے اعتبار کو ٹھیس پہنچائی' مجھے معاف کر دیجئے' لیکن اس میں ہم
قصور میرا زیادہ نہیں اگر آپ ڈکٹیٹر کے بجائے باپ بن کر اپنی شفقت مجھ پر نچھاور کرتے
شاید آج میں اتنا بڑا قدم نہ اٹھاتی۔ بے جا پابندیاں ذی روح کو باغی پن پر اکساتی ہیں۔ م
بغاوت کرنا نہیں چاہتی تھی۔ مجھے آپ سے محبت تھی' بابوجی لیکن میرے پاس اس کے علا
کوئی راستہ نہ تھا۔ مجھے معاف کر دیجئے۔" وہ تکیہ بھگو رہی تھی۔
وہ خاموش سر جھکائے بیٹھی مسلسل اشک بہا رہی تھی۔
"لوٹ آؤں گا میں میرا یقین رکھو۔" اعیان اس کی جانب دیکھتے ہوئے بہت د
لہجے میں بولا' لیکن اس کے اشکوں کے تسلسل اور روانی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔
"اعتبار نہیں ہے کیا میرا؟" مگر وہ جواب میں کچھ نہیں بولی۔ اس نے اس کے
ہوئے سر کو دیکھا پھر بولا۔
"ہم میں رشتے کی ایک مضبوط ڈور ہے پگلی کیا یہ بات ٹھوس دلیل نہیں۔"
"مگر اس کے اشک پھر بھی نہ تھمے۔"
"اگر تم یونہی روتی رہیں' تو بابوجی سے تمہیں ساتھ لے جانے کی اجازت حاصل کر
پڑے گی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تو وہ یکدم سر اٹھا کر خوفزدہ انداز میں اسے دیکھنے لگی۔
"خدا کے واسطے ایسا غضب مت کیجئے گا۔ وہ ہمیں جان سے مار ڈالیں گے۔"
"اچھا ہے نا مر کر امر پریمیوں میں نام آ جائے گا۔" وہ ہنسا تبھی فوراً اس نے اس
منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔
"اللہ نہ کرے۔" بالکل غیر ارادی حرکت تھی یہ۔ اعیان پہلے چونکا پھر مسکرا دیا۔ و
سی ہو گئی۔ ہاتھ واپس کھینچنا چاہتی تھی' لیکن اس نے فوراً گرفت میں لے لیے تھے' اور جم
دھڑکنیں یکدم منتشر ہونے لگی تھیں۔ اعیان کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔ ہوٹل ک
کیبن میں وہ دونوں تنہا تھے۔ جانے سے قبل ان کی یہ آخری ملاقات تھی' پھر فاصلے ہی ا
حائل ہو جاتے۔ میلوں کے' دنوں کے' سالوں کے۔
اعیان نے اس کے ہاتھوں کو دھیرے سے چھوا۔ اس کے روم روم میں جیسے خو

پھیلنے لگی۔
"اعیان! مجھے ڈر لگتا ہے۔" وہ خوفزدہ سے لہجے میں یکدم بولی۔
"کس سے؟" وہ جیسے چونک کر دیکھنے لگا۔
"دنیا سے' سماج سے' وقت سے' حالات سے' دوری سے' خود سے اور اپنی تقدیر سے۔
میں نے بہت بڑا قدم اٹھا لیا ہے۔ اعیان پلیز کبھی مجھے پچھتاوے کا احساس مت دلانا۔ میں
کہیں کی نہیں رہوں گی۔ میں نے اپنا سب کچھ تجھے دیا ہے' ساری کشتیاں جلا ڈالی ہیں' واپسی
کی کوئی راہ نہیں ہے میرے پاس۔ مجھے دنیا کی نظروں میں سدا سرخرو رکھنا۔
اس کی آنکھیں پھر گہر بہانے لگیں۔
اعیان نے بے قرار ہو کر اس کے تمام اشک پوروں پر چن لیے۔
"تمہیں اعتبار دلانے کو ہی میں نے اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا' اور یہ کوئی جذباتی لمحوں کا
جذباتی فیصلہ نہیں ہے۔ یہ فیصلہ میں نے عمر بھر کے لئے کیا ہے۔ شادی سے مضبوط بندھن کوئی
اور نہیں۔"
"کیا فائدہ اس تعلق کا' جسے ہم دنیا کے سامنے ظاہر نہیں کر سکتے۔" وہ اس کی بات
کاٹ کر تیزی سے بولی۔
"یہ جرم نہیں ہے۔ کوئی گناہ نہیں کیا ہم نے۔ شادی کی ہے' جائز طریقے سے' قانون'
شریعت گواہ ہیں' اس بات کے اور رہی بات تعلق کو ظاہر کرنے کی' تو ایسا ہم بہت جلد
کریں گے۔ خاندانی بندہ ہوں۔ زبان پر اعتبار کر سکتی ہو تو کر لو۔ والدین کو ساتھ لے کر آؤں
گا' اور اپنی دلہن کو لے جاؤں گا۔" وہ ایک نگاہ دیکھ کر سر جھکا گئی۔
"لیکن یہ سب کچھ جلدی کیجئے گا۔ میں انتظار نہیں کر پاؤں گی۔" وہ جانے کیسے سچ کہہ
گئی۔ ایک ماہ سے بھی کم کی رفاقت تھی ان کی' لیکن یوں معلوم ہو رہا تھا' جیسے صدیوں کا ساتھ
ہو۔
"جدائی دل پر بہت بھاری ہوگی' لیکن جاناں یہ چند روزہ ہے فقط۔ ہم دور رہیں گے
بھی تو ہمارے درمیان کوئی فصیل حائل نہیں ہوگی کہ دل سے دل قریب ہو تو فاصلے بے معنی ہو
جاتے ہیں۔ وعدہ کرو پھر آنسو نہیں بہاؤ گی۔" وہ اس کے اشک پونچھ کر مضبوط لہجے میں بولا تو
اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"چلو مسکراؤ اب جلدی سے اور مجھے الوداع کہو۔" وہ مسکرایا۔

"الوداع! اللہ حافظ۔"

"اوں ہوں۔ اچھی بیویاں شوہروں کو اس طرح رخصت نہیں کرتیں، کوئی زادِ سفر۔" بات ادھوری چھوڑ کر شرارت سے اسے دیکھنے لگا اور وہ شرم سے دہری ہو گئی۔

پھر وہ چلا گیا، اور اس کی زندگی ہجر کی ایک طویل سیاہ رات میں بدل گئی۔

بواجی یاترا سے واپس آ گئی تھیں، اور اسے دیکھ کر جانے کیوں وہ پوچھ بیٹھی تھیں۔

"کیا بات ہے پوجا۔ تو کچھ دبلی اور کمزور نہیں ہو گئی؟" ان کی نظریں یقیناً جہاں دیدہ تھیں۔

"نہیں بواجی۔ بس ذرا امتحانوں کی ٹینشن ہے۔" وہ نظریں جھکا کر بولی تھی۔

"خیال رکھا کر اپنا۔" وہ کہہ کر اپنے کام میں مصروف ہو گئیں، اور اس نے سکھ کی گہری سانس آزاد کی۔

وہ اس کا مکمل ایڈریس وغیرہ لے گیا تھا، لیکن اس نے اسے منع کر دیا تھا کہ وہ اسے خط و کتابت وغیرہ نہ کرے، کیونکہ بابوجی اور بواجی کے ہاتھ اگر کچھ لگ جاتا تو یقیناً برا ہوتا۔ اسے گئے کئی دن بیت چکے تھے۔ لیکن ابھی تک امید کی کوئی کرن نظر نہیں آئی تھی۔ اپنے ایک دوست کا ایڈریس دے کر گیا تھا، جس پر اس نے کئی خطوط ارسال کیے تھے۔ جواب کی اسے توقع یا آس اس لیے نہیں تھی کہ وہ خود ہی اسے باز کر چکی تھی۔

ماہا بھی اسے دیکھ کر الجھ جاتی۔

"تمہیں ہو کیا گیا ہے لڑکی؟"

"ہوں۔ کیا...... کیا ہوا؟" وہ چونک کر پوچھتی۔

"کہیں کچھ نہیں ہوا احمق لڑکی۔ یہ دریافت کر رہی ہوں۔ تم ٹھیک تو ہو؟"

"ہوں۔" وہ سر ہلاتی چلی جاتی۔

ماہا بیٹھتی متواتر ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہتی، لیکن وہ مسلسل ہوں ہاں میں جواب دیتی چلی جاتی، اور تب وہ اکتا کر وہاں سے اٹھ جاتی۔

"علاج کرواؤ اپنا۔ اپنے بابوجی کے ڈکٹیٹر ٹائپ رویے سے تم یقیناً اپنا ذہنی توازن کھو رہی ہو۔"

"تمہیں کیا پتا اس کا ذمے دار کون ہے۔ کیا کچھ لے گیا ساتھ جانے والا۔" وہ سر جھکا کر رہ جاتی۔ جواب کوئی نہ دیتی۔ البتہ وہ منتظر رہتی ماہا کے منہ سے اس کے متعلق کسی خبر کی، خط آیا، خیریت سے ہے، خوش ہے۔ وغیرہ سے آگے وہ بھی کچھ نہ بتاتی، اور نہ ہی اس کی پوچھنے کی ہمت ہوتی۔

پتا نہیں کیا ہونا تھا اس کے ساتھ۔ اسے کچھ خبر نہ تھی، بس اس نے خود کو تقدیر کے حوالے کر دیا تھا۔ یہ تقدیر بھی عجب شے ہے۔ انسانی زندگی سے کھلونے کی مانند کھیلتی ہے۔ اسے بے بس اور بے اختیار کر ڈالتی ہے۔ بغیر اس کے احساسات و جذبات کی پرواہ کیے بس کھیلتی ہی چلی جاتی ہے، اور جب جی بھر جاتا ہے تو بدقسمتی کے خانے میں پٹخ ڈالتی ہے اور پھر ہمیشہ کے لئے سیاہ رات چھا جاتی ہے۔

جمیلہ کے فائنل ایئر کے ایگزیم تھے، لیکن اس کی طبیعت ان دنوں بے حد خراب رہنے لگی تھی۔ انتہائی سست اور کاہل، کچھ کرنے کو دل نہ چاہتا۔ جی گھبراتا، دل چاہتا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پڑی رہے۔ پتا نہیں شاید وہ ایک ہی جیسی روٹین سے گھبرا گئی تھی، یا اعیان کے نہ آنے کے باعث اس کی ایسی کیفیت تھی۔ اچھے دن جانے ابھی کتنے دور تھے، لیکن اس نے مستقبل کی فکر چھوڑ کر اپنے حال کے دنوں کو ماضی کے دلکش رنگوں سے بھر لیا تھا، لیکن اس کا یہ خواب اس دن ٹوٹ گیا، جس روز اس کی طبیعت اچانک بگڑ گئی۔ اور وہ کچن میں کام کرتے کرتے اچانک گر کر بے ہوش ہو گئی۔ بواجی نے گھبرا کر ڈاکٹر کو بلا لیا تھا، لیکن چیک اپ کے بعد جو بات ڈاکٹر نے بتائی تھی، اس کو سن کر وہ گنگ رہ گئی تھیں۔ ڈاکٹر نے ایک طویل نسخہ لکھ کر معہ ہدایتوں کے انہیں تھمایا تھا، اور خود چلے گئے تھے۔ بواجی کے تو پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔

وہ ایک گھنٹے بعد ہوش میں آئی، تو وہ بت سی بنی اس کے سرہانے کھڑی تھیں۔

ایک گھنٹہ جانے انہوں نے کیسے صبر کیا تھا۔ اسے دیکھتے ہی پھٹ پڑیں۔

"کس کا پاپ ہے یہ؟ کس کے ساتھ منہ کالا کیا ہے تو نے؟"

وہ ششدر سی انہیں تکنے لگی۔ جانے وہ سمجھ ہی نہ پائی تھی، یا سمجھ کر حیران تھی۔

"میں پوچھتی ہوں کس کے ساتھ منہ کالا کیا ہے تم نے، کس کا پاپ پل رہا ہے تمہارے اندر؟" انہوں نے دوبارہ پوچھا، اور تب وہ جیسے احساسِ جرم کے ساتھ سر جھکا گئی۔

"کوئی پاپ نہیں کیا میں نے' نہ ہی یہ پاپ کی نشانی ہے۔"

"ایک کنواری کنیا اس حال کو پہنچ جائے یہ پاپ نہیں تو اور کیا ہے۔ پوجا تو مر کیوں گئی۔ تجھے اپنے بابو جی کی عزت کا رتی بھر خیال نہ آیا' یوں منہ کالا کرتے ہوئے' تجھے معلو نہیں وہ تیرا کیا حشر کریں گے' تجھے نتیجے کی پروا کیوں نہ ہوئی؟" وہ رو رہی تھیں۔

"بواجی! پلیز آپ میری بات خاموشی اور صبر سے سن لیجئے۔" وہ خود پر الزامات بوچھاڑ ہوتے دیکھ کر فوراً ہمت کر کے بولی۔

"ارے اب کیا کہے گی تو۔ کتنے سننے لائق بچا کیا ہے اب۔ میری مان تو فوراً چھٹ پانے کی سوچ اس پاپ سے۔"

"بواجی! پلیز آپ میرے جائز بچے کو بار بار ناجائز مت کہیے۔" وہ یکدم بول پڑی۔ بواجی حیران ہو کر اس کا منہ تکنے لگیں پھر وہ آہستہ اور دھیمی آواز میں بولی۔

"میری شادی ہو چکی ہے۔"

"کون ہے وہ؟" وہ حیران ہو کر پوچھنے لگیں۔

"اعیان عمر شیخ نام ہے ان کا' پاکستان سے آئے تھے۔ ماہا کے کزن ہیں۔"

"ہائے ہائے ایک مسلمان' غیر ذات پات' غیر مذہب' غیر قوم پھر پردیس کا' تجھے کوئی ا مذہب' اپنی جاتی نہ ملا' کمبخت' تیرے بابو جی تو کٹر ہندو ہیں' انہیں پتا چلے گا تو تجھے زندہ ڈالیں گے۔ تجھے خیال نہ آیا بدبخت۔ ہائے پوجا۔ تجھے بھگوان کبھی معاف نہیں کرے گا۔ سے تو اچھا تھا تو پیدا ہوتے ہی مرجاتی۔"

"محبت رسموں رواجوں' ذات پات' عقائد کو نہیں مانتی۔ محبت کوئی سودا نہیں جو سوچ کر' دیکھ بھال کر کیا جائے۔ یہ تو ایک بے اختیاری جذبہ ہے۔ کبھی بھی کسی بھی دل میں پھ سکتا ہے' اور دوسری بات یہ کہ آپ مجھے پوجا مت کہیں میں اسلام کے دائرہ کار میں و ہو چکی ہوں' اور میرا نام میرے شوہر نے جمیلہ رکھا ہے۔ جمیلہ اعیان شیخ۔" وہ اس اعتماد اپنے دفاع میں بولی کہ بواجی گنگ اسے تکتی رہ گئیں۔

"مجھے نتائج کی پروا نہیں۔ میں نے دل کی مانی ہے۔ اپنے طور پر میں نے کچھ غلط کیا' مجھے خدا کی تلاش تھی' میں نے خدا کو پالیا ہے۔ اب عبادت میں مجھے واقعی بہت سکو ہے۔ مجھے اس خدا نے ایک اچھے ساتھی سے نوازا ہے۔"

"مگر سوچ پوجا کیا ہوگا اب؟ تیرے بابو جی....." اس نے تیزی سے ان کی بات کاٹ دی۔

"بواجی! آپ نے کہا تھا نا۔ آپ کے دل میں بھی خدا کو پانے کی لگن تھی' جستجو تھی لیکن آپ طور کی راکھ ہو گئیں۔ کیا آپ کو خوشی نہیں ہوئی کہ میں نے خدا کو پالیا ہے' اور میں اپنے اندر کی تسکین میں کامیاب رہی ہوں۔ میں نے اپنا مقصد پالیا ہے۔" وہ ایک جذب سے ان کے قدموں پر جھک گئی۔ بواجی نے آنسو پونچھ کر اسے اٹھایا' اور اپنے سامنے بٹھا دیا۔

"پوجا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔ بھگوان جانے کیا ہونے والا ہے' لیکن میرا دل بہت ڈر رہا ہے۔ تیرے بابو جی تجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ زندہ گاڑ دیں گے تجھے وہ لیکن ایک مسلمان کے حوالے کبھی نہیں کریں گے۔ ان کی آنکھوں میں نفرت کے دہکتے الاؤ تو نہیں دیکھ سکتی میری بچی۔ میں ان کے ظلم کی جیتی جاگتی تصویر ہوں' آج تک ایک چھوٹے سے گناہ کی پاداش میں اس دہلیز پر بیٹھی ہوں۔ عمر گزر گئی' لیکن وہ اب بھی اس بات کو نہیں بھولے۔ اب بھی مجھ پر یوں نظر رکھتے ہیں' جیسے میں سولہ سال کی کوئی بچی ہوں۔ تو نے تو ان کی نظر میں گناہ عظیم کیا ہے۔ تیری تو معافی کی بھی امید نہیں۔"

"بواجی کیا آپ.....؟" وہ حیران ہوئی۔ پہاڑ کا راکھ بننا اسے سمجھ میں آگیا۔ طور کا خاک ہونا' وہ جان گئی۔ وہ بھی ایک مسلمان کی محبت میں گم ہو گئی تھیں۔ ان کی گود میں سر رکھ کر یکدم رونے لگی۔

◆ ◈ ✖

بات جہاں تک اپنی ذات کی تھی' تو وہ تمام صبر سہ سکتی تھی' تکلیفیں برداشت کر سکتی تھی' لیکن اب وہ تنہا نہیں تھی۔ اسے اپنی زندگی سے زیادہ اس وجود کی فکر تھی' جو اس کے وجود کا حصہ تھا' اور اس میں پوشیدہ تھا۔

وہ بھی سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ آخر کیا کرے۔ کہاں جائے کہ تبھی ماہا چلی آئی۔ خاصی سنجیدہ سی لگ رہی تھی وہ۔ اس کے چہرے سے وہ کچھ اخذ نہ کر سکی۔ حالانکہ اس سے قبل جب وہ ملنے آئی تھی تو بہت خوش تھی۔

"خیریت؟" اس نے اپنے اندر کا تمام کرب چھپا کر اس سے دریافت کیا۔

ماہا نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا پھر نفی میں سر ہلانے لگی۔ اس کے چہرے پر اگرچہ کوئی

تاثر نہ تھا' لیکن آنکھیں بہت کچھ کہہ رہی تھیں۔ وہ اس کی جانب بغور تکنے لگی۔

"کوئی بات تو ضرور ہے۔ بتانا نہیں چاہتی تم مجھے؟"

ماہا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر یکدم گردن جھکائی' پھر بے ربط لہجے میں بولی۔

"میرا کزن آیا تھا پچھلے دنوں آپی کی شادی پر پاکستان سے شادی میں شرکت کا تو ایک بہانہ ہی تھا۔ مجھے بطور خاص دیکھنے آیا تھا۔" وہ رک گئی۔

"پھر؟" اس کی دھڑکنیں جیسے تھمنے لگیں۔

"میں اسے پسند آئی یا نہیں یہ بات میں نہیں جانتی' لیکن ہماری بات پکی ضرور ہوگئی تم مگر اب اچانک ہی جبکہ شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں' تو وہاں سے فون آیا ہے کہ ......"

"ہاں کیا وہ؟" اس کا تجسس کمال پر تھا۔ ماہا نے کچھ دیر اس کی جانب دیکھا' پھر بولی۔

"وہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتا' اور اس نے یہ بات خود مجھ سے کہی ہے۔"

اس کے اندر جیسے اطمینان کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ایک گہرا سانس اس نے خارج کیا۔ خودغرض ہو جاتا ہے' بعض اوقات انسان۔

"کیا تم اسے پسند کرتی تھیں؟" وہ جانچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ آ[...] زخم خوردہ لڑکی کے روپ میں اس کے سامنے تھی' مگر اس وقت اسے اس سے ہمدردی کی[...] خود اپنی فکر ستا رہی تھی' پھر یہ احساس کہ وہ مکمل طور پر اس کا تھا' اور کسی کی نظر اپنی چہرے[...] برداشت کرنا بعض اوقات واقعی محال ہو جاتا ہے۔ مالکانہ حقوق کا بھی اپنا ایک نشہ ہوتا ہے۔

"ناپسند کرنے والی کوئی بات اس میں ہے ہی کب؟" اس کا جواب اس کی توقع عین برعکس تھا۔ اس کا خیال تھا وہ اس کے متعلق بدظن ہوگئی ہوگی کہ وہ اسے ٹھکرا رہا ہے مگر[...]

"کیا وہ کسی اور کو پسند کرتا ہے؟"

"یہ تو میں نے اس سے نہیں پوچھا' لیکن وہ کہہ رہا تھا کہ وہ کسی کو قول دے چکا ہے۔"

"تمہیں دکھ ہو رہا ہے؟"

"کیا نہیں ہونا چاہیے؟" ماہا کے چہرے پر ایک زخمی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اس چند ثانیے اسے دیکھا' پھر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"میں بھی تمہیں ایک اہم بات سے آگاہ کرنا چاہتی ہوں۔" ماہا اس کی جانب سر اٹھا[...]

دیکھنے لگی' تب اس نے تمام حقیقت اس کے گوش گزار کر دی۔

ماہا سن کر کتنے ہی پل تک اسے بے یقینی سے تکتی رہی پھر تلخی سے مسکرا کر سر جھکا گئی۔

"اعیان کا انتخاب واقعی قابل ستائش ہے۔"

حریف جس نے بازی جیتی یقیناً ہم سے کمتر نہیں

ورنہ شاید تاحیات یہ درد ستاتا رہتا

"اب سوال برابری کا ہی نہیں' بلکہ تم یقیناً مجھ سے بھی بڑھ کر ہو۔ اب افسوس کی گنجائش باقی نہیں بچتی۔" وہ مسکرا کر دوستانہ انداز میں اسے دیکھنے لگی۔ وہ سر جھکا گئی۔

"میں بے خیالی میں تمہارا حق غصب کر گئی۔ معذرت خواہ ہوں۔ یہ بات مجھے معلوم نہیں تھی کہ وہ تمہیں دیکھنے یا منتخب کرنے آئے ہیں۔"

"ورنہ تم یقیناً ان کے سامنے نہ آتیں۔" ماہا کہہ کر ہنسنے لگی۔ تب وہ بھی مسکرا دی۔

"خیر یہ نصیب کے کھیل ہوتے ہیں سارے' مگر افسوس اس بات کا بھی ہے کہ اسے نہیں تو کم از کم تمہیں تو مجھے اپنے راز میں شریک کر لینا چاہیے تھا۔ وہ تو شاید اپنے اور میرے متوقع تعلق کے باعث گریز کر رہا ہو' مگر تمہاری تو میں دوست تھی۔"

"بس ہمت ہی نہیں ہوئی۔"

"ہمت کی بات تو اب چھوڑو۔ ایک چھ فٹ کے بندے کو قابو کر لیا۔ یہی ہمت کیا کم ہے اور اب....." وہ بات چھوڑ کر کھلکھلا کر ہنسنے لگی پھر بولی۔

"ماہا کچھ کرو۔ مجھے یہاں سے جلد از جلد نکلنا ہے۔ بابو جی کو تھوڑی بہت بھی اس بات کی سن گن مل گئی تو وہ یقیناً کچھ اچھا نہیں کریں گے' اور مجھے اپنی پروا نہیں ہے۔ میں ان کی امانت ان تک محفوظ طریقے سے پہنچانا چاہتی ہوں۔"

ماہا کچھ دیر خاموش رہی' پھر جیسے کسی نتیجے پر پہنچ کر سر اٹھا کر بولی۔

"میں فون پر جلد ہی اس سے بات کروں گی' لیکن ہو سکتا ہے۔ اسے آنے میں کچھ دن لگ جائیں اور تمہارا یہاں سے نکلنا بے حد ضروری ہے۔ وہ بھی جلد از جلد۔ اچھا یہ بتاؤ تم نے بواجی سے تو بات کر لی ہے نا۔ یعنی وہ تمہارا ساتھ تو دیں گی نا؟"

"بواجی مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں۔ وہ یقیناً مجھے ایسے موقع پر تنہا نہیں چھوڑیں گی۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ تم کل ہی میری خالہ کے گھر شفٹ ہو جاؤ۔ ورلی میں مقیم ہیں تنہا

ہیں۔ شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد بیوہ ہوگئی تھیں۔ کوئی اولاد بھی نہیں ہے۔ قدرے تنہائی ہیں۔ اس لیے شور ہنگامہ وغیرہ بالکل پسند نہیں کرتیں' نہ ہی خاندان والوں سے زیادہ ملتی ہیں۔ تمہارے میاں کی پھوپھی صاحبہ ہیں' لہٰذا تمہاری تو ساس ہوئیں۔ یقیناً تمہارے ساتھ وہ اچھی ہی رہیں گی۔" وہ مسکرا کر بولی تو جانے کیوں وہ اس کی آنکھیں یکدم بھر گئیں۔

"گھبرا کیوں رہی ہو بھئی سسرال جا رہی ہو رخصت ہو کر' پھر تمہاری ان چچے رستم صاحب کو فون تو میں کر دوں گی' اور ساتھ ہی خوشخبری بھی سنا دوں گی۔ یقیناً دوڑے چلے گے۔" وہ چھیڑتے ہوئے مسکرائی اور تب وہ بھی ہولے سے مسکرا دی۔

✦ ◈ ✖

"بیٹیاں جب بابل کی دہلیز سے رخصت ہوتی ہیں تو کئی دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ کسی کا آشیرواد نہیں تھا۔ بابو جی کئی دنوں سے گھر نہیں آئے تھے اپنی دوسری بیگم کے ہاں تھے۔ بہرحال اسے یہی موقع مناسب لگا تھا۔ سو اس نے ضروری تمام اشیاء ساتھ باندھ لی تھیں۔ آتے ہوئے وہ بوا جی کے گلے سے لگ کر بہت بہت تھی۔

"بوا جی آپ کے ساتھ بابو جی یقیناً اچھا نہیں کریں گے۔"

"تم اپنی زندگی کے متعلق سوچو ہماری فکر مت کرو۔ ہماری زندگی کا تو انت جانے کب بھگوان بلا لے موت کا ڈر اب رہا ہی نہیں۔ ہاں تجھے بھگوان لمبی عمر سے نوا تیری گود بھرے' یہی میری خواہش و جیون ہے۔"

"بوا جی آپ مہان ہیں۔" وہ سسکیاں بھرنے لگیں۔

"بس اب آنسو پونچھ لے۔ بھگوان نے تجھے نیا جیون دیا ہے' نیا بندھن' نیا گھر نیا نام دیا ہے۔ اس کا شکر کرتی رہنا۔" ان کے محبت بھرے انداز پر جیسے وہ پگھلنے لگی۔

"بوا۔ میں نہیں جا سکتی آپ کو چھوڑ کر۔" بوا کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔

"جانا تو ہوتا ہے بیٹا۔ بیٹیاں تو ہوتی ہی پرایا دھن ہیں' لیکن فرق یہ ہے کہ تو ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہی ہے۔ آج کے بعد تیرے لیے یہ دہلیز انجان ہو جائے گی۔ کبھی یہاں قدم مت رکھنا۔ ہم ہمیشہ پیا جاتا بیٹیوں کو آشیرواد دیتے ہیں کہ وہ سکھی رہیں' اور اس کی ڈولی جا رہی ہے' وہاں سے اس کی ارتھی ہی نکلے۔ تجھے بھی یہی کہوں گی کہ ا۔

ماننا' عزت و احترام کرنا۔ ساس سسر اور باقی رشتے داروں سے مل جل کر رہنا کہ تو تمام کشتیاں جلا کر جا رہی ہے۔ اور تیرے پاس واپسی کا کوئی راستہ نہیں اس لئے۔ پچھتاوے کبھی اپنی زندگی میں مت آنے دینا۔ چل اب جلدی سے جا۔ ورنہ تیرے بابو جی آ گئے تو......"

اس نے اچھی طرح چادر لپیٹی اور مٹھی میں دبا ایڈریس ایک بار پھر دیکھ کر مٹھی کو اچھی طرح دبا لیا' پھر وہاں سے نکل آئی کبھی نہ لوٹنے کے لیے۔

✦ ◈ ✖

وہ کتنی ہی دیر تک کمرے میں دھوئیں کے مرغولے بناتا رہا' پھر آخر کار تنگ آ کر باہر نـ
آیا۔ ٹیرس پر کھڑے ہو کر چند گہرے گہرے سانس لیے۔

زندگی نے اچانک ہی ایسا رخ دکھایا تھا کہ وہ ششدر رہ گیا تھا۔ ایک طرف اتنی بـ
خوشی کی نوید ملی تھی' تو دوسری جانب۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جب ماہا کے ساتھ ا
کے بچپن سے اتنے مضبوط تعلقات تھے' نکاح ہوا تھا' تو انہوں نے کبھی اسے اس کے متعـ
پہلے آگاہ کیوں نہیں کیا' اور اب اچانک جب اس نے اپنی زندگی کی اتنی بڑی خوشی ان
شیئر کی تو انہوں نے اچانک اتنا بڑا راز کھول دیا تھا۔ کتنے عرصے سے وہ ماما پاپا کو اس با
کے متعلق راضی کرنے کے متعلق سوچ رہا تھا' مگر وہاں سے آنے کے فوراً بعد ہی اس
فائنل ایگزیم شروع ہو گئے' اور اسے کچھ اور سوچنے کا وقت ہی نہ ملا' پھر جیسے ہی ایگزیم
فارغ ہوا' پاپا کو ہارٹ اٹیک ہو گیا۔ وہ اس پریشانی سے سنبھلا تھا کہ پھر کاروباری ذ
داریوں کا بوجھ اس کے کاندھوں پر آن پڑا' اور اسے کچھ کہنے کے لئے نہ تو موقع ملا نہ
حوصلہ لیکن جب ماہا کے متعلق اس کی رائے دریافت کی گئی' تو وہ فوراً بدک گیا۔ اس کے
میں فقط یہی بات تھی کہ وہ انڈیا اسے دیکھنے کی غرض سے گیا تھا' بلکہ بھیجا گیا تھا' اور پـ
ناپسند کا حق ہمیشہ کی طرح اس کے ہاتھ تھا۔ جیسے زندگی کے دیگر امور میں اس کی مرضـ
اہمیت حاصل رہی تھی' اس کا خیال تھا یہاں بھی وہ اپنی اکلوتی حیثیت کا سہارا لے کر صاف
نکلے گا' مگر ایسا خیال محض خیال ہی ثابت ہوا تھا۔ اسے جمیلہ کی فکر تھی' وہ مناسب موقع
تلاش میں تھا' مگر تقدیر نے اسے اچانک ہی جیسے بے بس کر دیا تھا' اور تب اس کے لیے
راز کو کھولنا اور اپنے ردعمل کا اظہار کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ اس نے وقتی جوش و غصے کی کیفـ
میں اس معصوم لڑکی کے احساسات و جذبات کی بنا پروا کیے جانے کیا کچھ کہہ دیا تھا۔

ایک اٹوٹ بندھن تھا' اس کے ساتھ اس کا ایک مضبوط تعلق۔ خواہ دل کا نہ سہی' جذبوں
کا نہ سہی' بہر طور تعلق تو تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ زندگی کسی موڑ پر لا کر اسے اتنا بے بس و مجبور بھی
کر دے گی' وہ کسی فیصلے پر ہی نہ پہنچ پائے گا۔ وہ سب میں اس طرح تقسیم ہو جائے گا کہ خود کو
ڈھونڈنا دشوار ہو جائے گا۔ رشتے جہاں مضبوط سہارے ہیں تو کبھی کبھی قدموں کی بیڑیاں بھی
بن جاتے ہیں' مگر ہو تو اپنی ہی ذات کی زنجیروں کے کنجل میں مقید ہو گیا تھا۔

زندگی ایک تھی اور طلب گار دو۔

کسے حق دیتا اور کسے محروم کرتا۔ سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

وہ جہاں مضبوط و توانا نظر آتا تھا' وہیں اندر سے بے حد موم تھا۔ کسی کو آزار دینا یا
تکلیف پہنچانے کے متعلق اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ کجا ساری عمر کا رنج و داغ یقیناً
ہمارے بڑے اپنی مہارتوں کے زعم میں بہت غلط فیصلے کر جاتے ہیں' کسی کی زندگی سے کھیلنا'
کسی کو جائز نہیں' لیکن ایسی شخصیتوں کے سامنے جن کے بے شمار احسانوں کے تلے ہمارا وجود
دبا ہوتا ہے' کبھی سر اٹھا کر بھی یہ نہیں پوچھ پاتے کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ جانے یہ والدین
محبتیں دے کر بے بس و مجبور کیوں کر ڈالتے ہیں۔ بے حد مخلص' بے غرض' بے مفاد' تہی دل
سے چاہنے والے زندگی کی ہر خواہش کو پورا کرنے والے۔

ہر ضد پر ہارنے والے۔

مگر جانے کیوں اڑ جاتے ہیں ایک بات پر۔

وہ بات جو زندگی بھر کا احاطہ کرتی ہے' پوری زندگی پر محیط ہوتی ہے۔ ایک فیصلہ۔ جانے
کیوں خود کرنے کا حوصلہ نہیں دیتے وہ۔ ساری خوشیاں قدموں میں ڈھیر کر ڈالتے ہیں مگر
جو دل کی خوشی ہوتی ہے وہی دل تک نہیں پہنچنے دیتے۔ اسی فیصلے کی اجازت نہیں دیتے۔ جس
سے دل کی خوشی جڑی ہوتی ہے۔

وہ لڑتا تو کس کے خلاف؟

غیر کون تھا۔

سب اپنے تھے۔ ذات کا حصہ۔

اور اپنے آپ سے کون لڑ سکا ہے' کون لڑ سکتا ہے۔

اچانک آہٹ ہوئی اس نے مڑ کر دیکھا پاپا کھڑے تھے۔ انہوں نے خاموشی سے اس کو

دیکھا پھر دو قدم آگے بڑھ آئے۔

''رات بہت ہوگئی ہے سوجاؤ۔'' وہ یونہی اضطراری کیفیت کے ساتھ کھڑا رہا۔ تب اسے کچھ دیر خاموشی کے ساتھ دیکھنے کے بعد بولے۔

''عمر تمہاری ہے' زندگی تمہیں بسر کرنی ہے' فیصلے کا حق بھی تمہیں حاصل ہونا چاہیے' تم بیٹا ہم سے جو غلطی سرزد ہوگئی۔ اس کی سزا کیا اس معصوم لڑکی کو ملنی چاہیے؟ اس کا کیا قصور ہے۔ اس کے باوجود کہ خاندان میں ہماری بے حد بے عزتی ہوگی' مرتبہ و نام' وقار سب خاک میں مل جائے گا۔ میں فیصلے کا حق تمہیں دیتا ہوں۔ ہم جابر والدین نہیں ہیں۔ جو کچھ کیا تھا میں یقیناً تمہاری خوشی کو ترجیح حاصل تھی۔ تم نے ایسے کون سے والدین دیکھے ہیں۔ جن کی اولاد ان سے کھانے کو گوشت مانگے اور وہ اسے سانپ کھلا دیں۔ کیا والدین اولاد سے دشمنی کر سکتے ہیں۔ کبھی اس کی خواہش و آرزو سے ہٹ کر کچھ سوچ سکتے ہیں؟'' وہ جو اس جانب دیکھ رہا تھا فوراً ہی نظریں جھکا گیا۔ ان کے لہجے کا تحمل اور دھیما پن بدستور قائم تھا۔

''ہم والدین ہمیشہ اولاد کے لئے اچھا ہی سوچتے اور چاہتے ہیں' مگر کچھ فیصلے غلط ہو جاتے ہیں' مگر ہم انہیں عمر بھر کے پچھتاوے میں تبدیل نہیں کر سکتے۔ ہماری خواہش خوشی ایک جانب' لیکن تم ہمیں اپنی تمام خوشیوں سے بڑھ کر عزیز ہو۔ تم خوش ہو تو ہم خوش ہیں۔ اس لیے کوئی زبردستی نہیں کریں گے تمہارے ساتھ۔ تم مکمل طور پر آزاد ہو۔ فیصلہ کرو' سوچ سمجھ کر کرنا۔'' انہوں نے کہہ کر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ سر اٹھا کر دیکھنے لگا۔ تب وہ دوستانہ انداز میں مسکرائے' اور پھر پلٹ کر آگے بڑھ گئے۔ وہ کچھ دیر کھڑا انہیں تکتا رہا' پھر اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگا۔

انسان جب خود سے کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا تو خود کو تقدیر کے حوالے کر دیتا ہے۔ اس کے لئے اگرچہ کسی فیصلے پر پہنچنا آسان نہیں تھا' لیکن آخرکار وہ ایک فیصلے پر پہنچ گیا تھا' اور پاپا کو اس سے آگاہ کر دیا تھا۔ گھر میں اچانک خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی' اور پھر جشن کی تیاریاں شروع ہونے لگی تھیں۔ آخرکار وہ معہ بارات ممبئی کے لیے روانہ ہوگیا تھا۔

شادی کی تقریبات نہایت سادگی کے ساتھ انجام پائی تھیں' لیکن اس کی بے قرار نگاہیں ہر گھڑی ایک شناسا چہرے کو دیکھنے کے لئے متلاشی رہی تھیں۔ ہر جانب اسے ڈھونڈتا تھا' مگر بے سود' تقدیر بہت سے رخ دکھاتی ہے۔ زندگی صورتیں بدلتی رہتی ہے۔ آخر

کار اس کی زندگی میں ایک نئی ہستی پورے استحقاق کے ساتھ در آئی تھی۔ وہ لوگ ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے تو حجلہ عروسی کا اہتمام بھی وہیں کیا گیا تھا۔ شادی کی پہلی رات اسے وہیں گزارنا تھی' پھر اس نے یہ طے کرلیا تھا کہ اسے دوسرے روز پاکستان کے لیے روانہ ہو جانا تھا۔ کمرے کی جانب اس کے قدم بڑھ رہے تھے' لیکن انداز میں بے دلی تھی۔ کوئی جذبہ' جوش' ولولہ نہ تھا۔ نہ دل میں امنگ تھی۔ نہ ہی کوئی خوشی کی رمق۔

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ فائیو اسٹار ہوٹل کا کمرا مکمل حجلہ عروسی کا منظر پیش کر رہا تھا۔ کمرے کے عین وسط میں جہازی سائز پر پھولوں کی سجی سیج پر دلہن پوری شان سے براجمان تھی۔ وہ چند ثانیے وہیں کھڑا اس جانب تکتا رہا پھر دروازہ بند کر کے بے دلی سے آگے بڑھ آیا۔ بیڈ کے پاس رک کر جیب میں ہاتھ ڈال کر ابھی اس کی رونمائی کا تحفہ نکال ہی رہا تھا' جب اچانک اس نے گھونگٹ الٹ دیا۔ اعیان نے یکدم اس کی اس حرکت پر اسے دیکھا۔ وہ چہرے پر مکمل اطمینان لیے اس کی جانب تک رہی تھی۔ مسٹرڈ کلر کا لہنگا سوٹ اس پر بھاری گولڈن کام' اس پر زیوروں کی بھرمار' حسن کیسے شعلہ جوالہ نہ بنتا۔ سولہ سنگھار سے دلہن کی پور پور کو سجایا ہی اس لیے جاتا ہے کہ دیکھنے والی نگاہ متحیر ہو کر رہ جائے۔ خیرہ ہو جائے۔

اور یقیناً اب بھی دیکھنے والی نگاہ اگرچہ بے تاثر انداز میں اٹھی تھی' لیکن اب ساکت ہوگئی تھی۔ ماہا نے اسے اپنی جانب اتنی محویت سے تکتے پایا تو بوکھلا کر سر جھکا لیا۔ گلابی چہرہ اور بھی سرخ پڑ گیا۔ وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے مناسب لفظ تلاش کرنے لگی پھر یکدم گویا ہوئی۔

''میں آپ کو کہیں لے جانا چاہتی ہوں۔ میرے ساتھ چلیں گے؟'' اعیان نے بہت حیرت سے اپنی پہلی رات کی دلہن کو دیکھا۔ جس کے انداز میں فطری حیا کی جگہ اعتماد قابل دید تھا۔ وہ اس کی بات کو سمجھا نہیں۔ تبھی سوالیہ نظروں سے اسے دیکھے گیا۔

ماہا نے ایک نظر اسے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر دوبارہ سر جھکا لیا۔

''آپ...... آپ یقیناً حیران ہوں گے اور یہ بات آپ کے لیے غیر متوقع بھی ہوگی' مگر میرے پاس سوائے اس فعل کو سرانجام دینے کے اور کوئی طریقہ نہیں۔'' اس کے ساتھ ہی وہ اٹھی۔ تمام زیورات میٹھی سرگوشیاں کرنے لگے۔ وہ اٹھ کر اس کے مقابل کھڑی ہوگئی۔

''آپ میرے ساتھ چلیے۔''

"اس وقت۔ محترمہ دماغ درست ہے آپ کا؟"

"میں سنجیدہ ہوں۔ مکمل باہوش وحواس۔ جان لیجیے جو کچھ کر رہی ہوں۔ وہ غلط ہرگز نہیں۔" اس کے ساتھ ہی اس نے اس کا مضبوط ہاتھ تھام لیا۔

اعیان نے اپنے مضبوط ہاتھ پر اس کا نازک سا ہاتھ دیکھا۔ احساس یکدم بیدار ہوگیا

"کیا جنت میں لے جانا چاہتی ہیں؟" اس کے لبوں پر یکدم ایک دھیمی مسکراہٹ آئی۔ ماہا نظریں جھکا گئی۔ اس نے اس کے نازک سے ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ دھر دیا۔ ما[illegible] جیسے کرنٹ چھو گیا۔ اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکالنا چاہا' لیکن گرفت مضبوط تھی۔ اس کیفیت سے نکالنا چاہا' لیکن گرفت مضبوط تھی۔ اس کی کیفیت یکدم بدل گئی' سارا اعتماد س[illegible] پاؤں دھر کے بھاگ کھڑا ہوا' پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے' ہتھیلیاں بھیگ بھ[illegible] گئیں۔

وہ اسے شانوں سے تھام کر بیڈ کے قریب لایا اور پھر اسے بٹھا کر اطمینان سے بولا۔

"ایسی کیا بات ہے جو اس بند کمرے میں نہیں ہوسکتی؟"

ماہا نے نظریں پل بھر کو اٹھائیں وہ چہرے پر کوئی بھی تاثر لیے بغیر اس کی جانب رہا تھا۔ دل میں یکدم ہی ہل چل سی مچ گئی۔ ارادوں کی دیوار مٹی اور ریت کی دیوار ثا[illegible] ہونے لگی' تبھی وہ سر جھکا کر ہونٹ کچلنے لگی پھر بولی۔

"میں جان بوجھ کر آپ کی زندگی میں شامل نہیں ہوئی۔ ساری صورت حال میر[illegible] سامنے رکھی گئی تھی۔ میں مکمل آگاہ تھی' مگر مجھے مجبور کر دیا گیا تھا۔ میں جانتی ہوں آپ میر[illegible] میرے لیے نہیں ہیں۔ ایک تعلق کے ہوتے ہوئے بھی آپ میرے کچھ نہیں لگتے۔ تعلقا[illegible] دلوں سے استوار ہوتے ہیں' اور یقیناً آپ کا دل اس تعلق کے لئے تیار نہیں تھا۔ آ[illegible] طلب کچھ اور تھی اور ہے۔ میں اپنی زندگی کو سوالیہ نشان نہیں بنانا چاہتی۔ اس لیے کوئی کوئی مفاد' کوئی امید' خواہش آپ سے وابستہ نہیں کی میں نے۔ بزرگوں کا قائم شدہ تعلق طرف' لیکن یہ سچ ہے کہ تعلق دلوں سے ہی بنتے ہیں' اور میرے لیے آپ کے دل میں رمق نہیں' کوئی جذبہ نہیں۔ آپ نے بھی یقیناً یہ قدم مجبوراً ہی اٹھایا ہوگا' مگر میرے خیا[illegible] زبردستی کے تعلق فقط بوجھ ہوتے ہیں' جو زیادہ دیر تک نہیں اٹھائے جاسکتے۔ آپ جمیلہ[illegible] اور وہ آپ کی' میں آپ کے درمیان نہیں آنا چاہتی۔"

"لیکن درمیان میں تو تم آچکی ہو۔" وہ اتنی بے ساختہ بولا تھا' کہ وہ یکدم ہی سر اٹھا کر اسے دیکھتی چلی گئی تھی' پھر دوسری جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

"قصداً ایسا نہیں ہوا اور اگر ہوا بھی ہے تو میں اس کا ازالہ کرنے کو تیار ہوں۔"

"اتنا حوصلہ ہے تم میں؟" وہ جانے کیوں دھیمے سے مسکراتے ہوئے اس کی جانب تکنے لگا۔ وہ سر جھکا گئی' اور ہونٹ کاٹنے لگی۔ جو کہ اس کی اضطراری کیفیت کا اظہار کر رہے تھے۔ وہ دھیمے سے ہنس دیا۔

"عورت جتنی بھی مضبوط ہے' حقیقتاً نہایت کمزور واقع ہوئی ہے۔ تمام ارادے فقط بھر بھری ریت کی دیوار ثابت ہوتے ہیں......"

"ایسا نہیں ہے۔" وہ اس کی بات کاٹتی ہوئی تیزی سے بولی۔" اسی لیے تو میں آپ سے کہہ رہی ہوں کہ میرے ساتھ چلیے۔" وہ اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھتا رہا' پھر بولا۔

"چلیے۔"

وہ تھوڑے سے توقف کے بعد اٹھ کھڑی ہوئی۔ "کیا اسی طرح چلیں گی؟" وہ اس کو سر سے پاؤں تک ایک بھرپور نگاہ سے دیکھتا ہوا بولا۔ تو اسے اپنی پوزیشن کا خیال آیا' مگر پھر رسٹ پر نگاہ ڈالنے کے بعد نفی میں سر ہلا دیا۔

"ہمارے پاس وقت کم ہے۔ گاڑی تو ہے نہ۔"

"ہوں۔ بکنگ ہے جب تک کہ یہاں ہیں۔"

"تو پھر چلیے۔"

"مگر یہ تو بتا دیجئے جانا کس مقام پر ہے؟"

"ورلی۔ مجھے تمام راستوں کی پہچان ہے۔ ڈرائیونگ بھی جانتی ہوں۔" وہ بولی' تو وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چلنے لگا۔

خالہ کے فلیٹ کے دروازے پر اس نے کوئی پانچویں بار دستک دی تھی۔ انداز میں عجلت اور اکتاہٹ دونوں ہی واضح تھی۔ اعیان خاموشی کے ساتھ اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ جب اچانک دروازہ کھلا تو سامنے کھڑی شخصیت کو دیکھ کر جیسے اعیان پر شادی مرگ کی سی کیفیت چھا گئی۔

"جمیلہ!"

جمیلہ کے لیے بھی یہ صورت حال غیر متوقع تھی۔ کبھی کبھی بہت زیادہ خوشی بھی حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ سو وہ بھی گرنے کو تھی کہ اعیان نے فوراً آگے بڑھ کر اسے تھام لیا۔ و اس کی بانہوں میں جھول گئی۔ ماہا نے یہ صورت حال دیکھی پھر سر جھکا کر اندر کے چھائے تمام غبار کو دل کے کسی کونے میں دفن کرنے لگی تھی۔ اب یقیناً یہاں اس کی گنجائش نہیں تھی، تبھی و پلٹی تھی اور بنا آہٹ کیے وہاں سے نکل آئی تھی' گاڑی میں بیٹھ کر سیاہ شیشے چڑھائے تھے او پھر گاڑی فل اسپیڈ میں چلاتی ہوئی ہوٹل واپس آگئی تھی۔ کئی لوگوں کی نگاہیں اس پر پڑی تھیں لیکن وہ بنا پروا کیے تیزی سے لہنگا سنبھالتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی تھی۔

''ایک رات کی دلہن اور یوں تنہا۔''

سجا سجایا کمرا جیسے ماتم کر رہا تھا۔

وہ نڈھال سی بیڈ پر گر گئی۔ کیسی عجب کہانی تھی۔ سیج تھی' خوشبو تھی' پھول بکھرے ہو۔ تھے' انگ انگ خوشبو سے بسا تھا' پور پور سجا تھا' مہک رہا تھا' رنگ تھے' خواب تھے' جذبے ۔ دلہن تھی' مگر وہی نہیں تھا۔ جسے کہ ہونا چاہیے تھا۔ اول شب کی دلہن تنہا تھی' اداس تھی' ملول تھ اپنی بھیگی آنکھوں سمیت' ذات کی ویرانی سمیت۔

✦ ◈ ✖

ہوش کے عالم میں لوٹنے کے بعد وہ کتنی ہی دیر تلک ایک دوسرے کو حیرت کی تص بنے تکتے رہے تھے۔

''مجھے یقین نہیں آرہا۔ آپ میرے روبرو ہیں' قریب ہیں۔''

''میرے لوٹنے کی امید نہیں تھی کیا؟'' وہ اس کی پیشانی سے بال ہٹاتے ہوئے آ جذب کی کیفیت میں پوچھنے لگا۔

''آپ پر تو یقین تھا' مگر اپنی قسمت پر نہیں تھا۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو پھر لگے۔

''تمہیں میں نے اپنی زندگی میں شامل کیا تھا۔ ایک قول دیا تھا' کیسے ممکن تھا کہ جاتا۔'' وہ یقین دلاتے ہوئے بولا۔

''مگر وہ ماہا؟'' اس کی نظروں میں اس سندر موہنی سی دلہن کی شبیہ لہرا گئی۔ تب اس ا اسے تمام حقیقت کہہ سنائی۔

''بہت گہری لڑکی ہے۔ آج تک مجھ پر اس نے کچھ ظاہر نہ کیا' بلکہ جب میں نے اسے آپ کے متعلق آگاہ کیا' تب بھی وہ اپنے احساسات و جذبات پر مکمل کنٹرول کیے مسکراتی رہی۔ مجھے خالہ جی کے گھر کا ایڈریس دیا' یہاں منتقل کیا۔ حالانکہ اس وقت تک مجھے آپ کی ہندوستان آمد کے متعلق اس نے بتایا تھا' تو مجھ میں اچانک ہی فطری سی جلن عود کر آئی تھی' مگر وہ' وہ عورت نہیں' واقعی دیوی ہے۔ پوجنے کے قابل' اتنا حوصلہ تو کسی عورت میں نہیں ہوتا۔ جس کا اس نے عملاً مظاہرہ کر دکھایا۔''

''کیا تم اس جیسا مظاہرہ کر سکتی ہو؟''

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔ تب وہ چند ثانیہ کے لئے خاموش ہو کر سر جھکا گئی' پھر یونہی بولی۔

''میں اس جتنی عظیم تو نہیں لیکن' لیکن کوشش ضرور کروں گی۔ اس نے مجھے آپ سے ملا کر احسان عظیم کیا ہے۔''

''اگر تم اس کی جگہ ہوتیں تو کیا ایسا ہی کرتیں؟''

وہ سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھنے لگی پھر کچھ توقف کے بعد نفی میں سر ہلانے لگی۔ ''مجھ میں اتنی ہمت شاید کبھی نہ ہوتی۔ تبھی تو کہہ رہی ہوں وہ عظیم ہے' اور اس کی عظمت کی میں قائل ہوں۔''

''اب جب کہ تم جانتی ہو کہ اس کے اور میرے درمیان ایک تعلق برسوں سے موجود تھا' تم کیا محسوس کر رہی ہو؟'' وہ جانے کیا جاننا چاہ رہا تھا۔ وہ سمجھ نہ پائی' تبھی نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔

''آپ کیا دریافت کرنا چاہ رہے ہیں؟''

''تمہیں برا لگے گا نا' اگر میں اس کے حقوق بھی منصفانہ طریقے سے ادا کروں؟'' وہ کچھ دیر تک خاموش رہی' اسے دیکھتی رہی' پھر بولی۔

''اگر وہ اتنی عظمت کا مظاہرہ کر سکتی ہے' تو آپ کیا مجھے اتنا چھوٹا جانتے ہیں۔ وہ پہلی ہے' اس کا حق بھی پہلا ہے۔ بے خبری میں ڈاکہ تو میں نے اس کے حق پر ڈالا۔ وہ تو سب کچھ حاصل کر کے بھی مجھے سونپ گئی۔ اس نے جب میرے لیے اتنا کچھ کیا پھر میں کیوں نہیں کر سکتی۔ آپ کا ساتھ میری خوشی ہے' زندگی ہے۔ اگرچہ میں تمام کشتیاں جلا کر آئی ہوں' اور

میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں' مگر یہ فیصلہ کسی جبر یا مصلحت کے تحت نہیں۔ میری مکمل اور خوشی شامل ہے' اس میں۔ آپ اسے اس کا حق دیجئے۔ میں خوش ہوں گی' اور اس ضمن آپ کبھی کوئی رکاوٹ یا کوتاہی نہیں دیکھیں گے۔"

"تھینک یو جن' مجھے تم سے ایسی ہی امید تھی۔ تم نے مجھے بہت پرسکون کر دیا ہے۔ کے فیصلے عجیب ہیں۔ اس نے مجھے دو شریک حیات دی ہیں' اور دونوں ہی نہایت سلجھی مہذب اور باشعور ہیں۔" اس نے شکر ادا کیا۔ وہ دھیمے انداز میں مسکرا دی۔

"میرے خیال میں بہت وقت ہو چکا ہے' اب آپ کو اور مزید وقت ضائع نہیں چاہیے۔ وہ آپ کی منتظر ہوگی۔"

"اوہ۔ ہاں۔" اسے یکدم جیسے یاد آیا۔

"وہ پاگل لڑکی جانے کیا کچھ قیاس کر چکی ہوگی۔ میرے سامنے تو بے حد ضبط کا م کرتی رہی تھی' لیکن میں جانتا ہوں اس ضبط کا مظاہرہ کرنے کے لئے اسے ضبط کے کتنے پار کرنے پڑے ہوں گے۔ اب یقیناً وہ دل کا غبار دھو رہی ہوگی۔ جانے یہ لڑکیاں اتن وقوف کیوں ہوتی ہیں۔ کسی حد تک بھولی اور معصوم۔ خود کو بظاہر بے حد مضبوط ظاہر کر اور اندر سے موم کی طرح نرم۔ جن کیا ہر لڑکی' ہر عورت' دوسری عورت کے لیے اس قربانی دے سکتی ہے؟"

"ہاں' گر وہ اپنے مفادات کو' اپنے نفس کو شکست فاش دے ڈالے تو ایسا ہونا نہیں۔" وہ اس کی بات کی وضاحت کرتے ہوئے بولی۔

"تمہاری طبیعت کیسی ہے۔ چیک اپ وغیرہ تو کروا رہی ہونا؟"

وہ یکدم پوچھنے لگا۔ وہ کان کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی۔ تبھی وہ اس کے کان کے سرگوشی کرنے لگا۔

"مجھے ولی عہد چاہیے سمجھیں۔" اس کے شریر سے انداز پر وہ اسے گھورنے لگی۔ بولا۔

"مجھے تو یہ تصور ہی اتنا دلکش لگ رہا کہ میں باپ بننے والا ہوں۔ بھلا کیسا ہوگا و فرشتہ' ویسے کب ملوا رہی ہو تم مجھے اس سے؟" اس کی معصومیت اور بے صبری پر و جھینپ کر مسکرا دی۔

"بہت دیر ہے ابھی۔ آپ جائیے' دیکھئے رات کتنی بیت چکی ہے۔"

اس نے کھلی کھڑکی سے سیاہ بھیگی سی معطر رات کو تکا۔ چودھویں کا چاند عین وسط میں چمک رہا تھا۔

وہ شریر سے انداز میں مسکرایا۔ اس نے اسے پرے دھکیلا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اب آپ کو واقعی جانا چاہیے۔ وال کلاک دیکھئے۔ باتوں باتوں میں وقت اتنا گزر گیا۔ خبر ہی نہ ہوئی۔ دیکھئے۔ ساڑھے تین ہو چکے ہیں۔" وہ بولی تو وہ بھی مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

✦◈✖

رات آنکھوں میں کٹ گئی تھی۔ رو رو کر آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں' پپوٹے سوج گئے تھے' سر بے حد بھاری ہو رہا تھا' چلنے کی سکت نہیں تھی' اس نے مرے مرے سے انداز میں وال کلاک کی جانب دیکھا۔ صبح کے چار بج گئے تھے اسے یونہی روتے ہوئے۔ جتنی سیاہ رات باہر تھی' اس سے کہیں سیاہ رات اس کے نصیب کی تھی۔ اس میں اٹھنے کی ہمت نہیں تھی' لیکن اس لباس میں سو نہیں سکتی تھی۔ تبھی ڈریس تبدیل کرنے کی غرض سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر بے دلی کے ساتھ تمام زیورات اتارے' پرس میں منتقل کیے' بالوں سے گجرا کھینچ کر نکالنا چاہتی تھی۔ جب اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ اس کا دل ساکت ہو گیا۔

دستک دینے والے ہاتھوں سے اس کا دل کا کوئی تعلق نہ تھا۔ دستک دینے والے کے دل کا مگر جانے کیسے وہ پہچان گئی' مگر آگے بڑھ کر دروازے کو کھولنے کی سکت اس میں نہیں تھی۔ تبھی دیوار سے لگ کر کھڑی رہی۔ شاید اس کے پاس ڈپلی کیٹ چابی تھی' تبھی کچھ دستکوں کے بعد دروازہ کھل گیا۔ وہ یونہی دیوار کے ساتھ لگی ساکت کھڑی تھی۔ اعیان نے اسے ثابت سالم اور زندہ دیکھ کر گویا سکھ کا گہرا سانس خارج کیا۔

"دروازہ کیوں نہیں کھول رہی تھیں؟"

وہ اس کے قریب آن کھڑا ہوا۔ اس کے عین سامنے' مگر وہ اجنبی اجنبی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ پہلی رات کی دلہن جس کا پور پور خوشبو سے مہک رہا تھا' انگ انگ سجا تھا' مگر دل ویران تھا۔ پیاسے دشت کی طرح ویران' پیاسا! آنکھیں سرخ اور پپوٹے سوجے ہوئے

تھے۔ گویا وہ کوئی جھوٹ بول کر اپنا دفاع کرنے سے بھی قاصر تھی۔ کتنی مشکل ہو جاتی ہے کبھی صورتحال یقیناً بہت کچھ کھو دینا آسان نہیں۔

اعیان اسے خاموش نظروں سے دیکھتا رہا پھر آگے بڑھ کر اس کے بے حد قریب کھڑا ہوا۔ وہ دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔ اس نے ایک مضبوط ہاتھ دیوار پر لگا دوسرے سے اس کے شانے کو تھاما۔

ماہا نے اس کی جانب نہیں دیکھا۔ نگاہیں جھکائے کھڑی رہی۔ بوجھل پلکیں ا بوجھل ہو گئیں۔ ایک مضبوط سہارے کو سامنے پا کر جانے کیوں پھر آنکھیں بھرنے لگیں۔

"کیا ہوا ہے؟" اس نے دھیمی آواز میں پوچھا۔ ماہا نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ نظروں کے ساتھ اس کی جانب تک رہا تھا۔ وہ جانے کیوں دیکھتی چلی گئی۔

"ماہا!" اس نے شانوں سے تھام کر اسے ہلایا۔

"کیا ہوا ہے؟"

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

اس نے اپنے سامنے کھڑے مضبوط چھتنار سے وجود کو دیکھا پھر یکدم وہ منظر دھ ڈوبنے لگا۔ اعیان نے اس کی کیفیت کو جیسے بھانپ لیا۔ اس کے سر کو دھیرے سے شانے سے لگا لیا۔ اور وہ مضبوط وجود یکدم موم بن کر پگھلنے لگا۔ وہ اندر کا تمام درد ا شانے پر منتقل کرنے لگی۔ لڑکیاں سدا کی احمق ہوتی ہیں' جو درد دیتا ہے۔ اسی کے وجہ پناہ لے کر مطمئن ہوتی ہیں' جو گھاؤ لگاتا ہے' اسی سے مداوا ڈھونڈتی ہیں' وہ بھی اپنے اند تمام دکھ اسے سونپنے لگی تھی' سارے آنسو' سارا درد جو اسی سے ملا تھا۔ اسی کے شانے پ تھا۔ کتنی ہی دیر تک وہ روتی رہی تھی' پھر جب سارا غبار دھل گیا تو مطمئن ہو کر اس کے سے سر اٹھا لیا تھا۔

"جب اتنی مضبوط نہیں ہوتی ہو تو خود کو اتنا مضبوط ظاہر کیوں کرتی ہو؟" وہ یقیناً خ کی پوری برادری سے مخاطب تھا۔ وہ کچھ کہے بغیر سوں سوں کرتی ناک کے ساتھ سر جھ وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہوں کی تپش جیسے اسے ہوش و حواس میں لانے

"آپ...... آپ اتنی جلد لوٹ آئے؟" سوال کے بے تکے پن کا احساس اسے کے بعد ہی ہوا تھا' مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا' اور وہ جیسے محظوظ ہوتے ہوئے مسکرایا تھا۔

"یہ رات تمہاری تھی نا۔" وہ یکدم سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ وہ مکمل توجہ سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں جیسے کچھ تھا۔ وہ فوراً سر جھکا گئی۔ دل میں یکدم ہی ہلچل ہونے لگی۔

"میری زندگی کی تمام راتیں اور تمام دن فقط میرے ہی ہیں۔" وہ سمجھ کر بھی انجان پن سے بولی تھی۔ وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

"بھول رہی ہیں آپ' اپنا سب کچھ آپ میرے نام لکھ چکی ہیں۔" وہ جیسے صورت حال سے حظ اٹھا رہا تھا۔ وہ منہ پھیر کر دوسری جانب دیکھنے لگی۔

"سجیلہ کیسی ہے؟"

"مل کر کیوں نہیں آئیں تم اس سے؟"

"آپ سے مل کر یقیناً بہت خوش ہوئی ہوگی۔" اس کا انداز اور لہجہ دوستانہ تھا۔

'ہاں مگر تم بھی رکتیں تو شاید وہ اور بھی خوش ہوتی۔ ویسے کہہ رہی تھی تم دلہن کے روپ میں بے حد خوبصورت لگ رہی تھیں اور اس بات کا شکوہ بھی کر رہی تھی کہ تم نے اسے نہ تو اپنی شادی میں بلوایا اور نہ ہی اپنے دلہے سے ملوایا؟"

وہ جان گئی تھی وہ یونہی اس کا دل بہلانے کو بات کو مزاح کا رنگ دے رہے ہیں' تبھی کچھ نہیں بولی۔ تب وہ خاموشی کے ساتھ اسے دیکھنے لگا' پھر دھیرے سے اس ک شانے تھامتا ہوا بولا۔

"تمہارا انداز مجھے پسند آیا مگر میں نے تمہیں کسی قربانی کے لیے اپنی زندگی میں شامل نہیں کیا۔ تم دونوں میری ذمے داری ہو اور میں دونوں کے حقوق با احسن طریقے سے پورے کروں گا۔" ماہا کے دل کی دھڑکنوں میں مزید طغیانی آ گئی۔

"میں نے کوئی قربانی نہیں دی۔ وہ آپ کی محبت نہ بھی ہوتی تب بھی میں آپ کو اس لیے چھوڑ دیتی کیونکہ وہ ایک نومسلم ہے اور اسلام نے نومسلموں کے لیے بہت سے ضابطے مقرر کیے ہیں۔ اس نے اپنا سب کچھ آپ کے لئے تج دیا ہے۔ وہ واقعی عظیم ہے۔ دوسرے میں یہ بات بخوبی جانتی ہوں کہ تقسیم کی جلن کیسی ہوتی ہے۔ میں لاکھ وسیع القلب سہی لیکن یہ خاصیت مجھ میں بھی نہیں۔ اپنی شے پر پرائی نظر میں بھی برداشت نہیں کر سکتی کجا بانٹنا۔"

"وہ تنگ دل' تنگ نظر نہیں ہے۔ وہ تمہاری عظمت کی قائل ہو گئی ہے۔" اس نے پہلی

بار اپنا استحقاق استعمال کرتے ہوئے اسے اپنے مضبوط حصار میں لیا۔ وہ جیسے بدک گئی۔

''یہ اس کی بڑائی ہے کہ وہ ایسا سمجھتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں کچھ بھی نہیں۔'' اتنی باشعور اور سمجھدار تھی وہ کہ محبت اور دان کرنے کے فرق سمجھ سکتی۔ تبھی وہ اس کے حصار سے نکل آئی تھی۔

''مجھے نیند آرہی ہے۔'' یہ کہہ کر انہی کپڑوں سمیت بیڈ پر آگئی اور سر تک کمبل اوڑھ لیا۔ اعیان یونہی کھڑا تھا۔ جب اس نے سر پر سے کمبل اتار کر اسے مخاطب کیا۔

''پلیز۔ اگر آپ جاگ رہے ہوں تو صبح مجھے جلدی جگا دیجئے گا۔ مجھے کیمپس جانا ہے بلکہ آپ مجھے ڈراپ کر دیجئے گا۔'' وہ کہہ کر دوبارہ کمبل سر تک اوڑھ گئی تھی۔

وہ جب سو کر اٹھی تو فوراً نگاہ وال کلاک پر پڑی۔ سر بے حد بھاری ہو رہا تھا۔ اس نے دیکھا وہ بیڈ کے دوسرے کونے پر بنا کمبل کے پڑا تھا۔ اس کی جانب پشت تھی۔ اس لیے چہرہ دیکھنے سے قاصر تھی کہ آیا وہ واقعی سو رہا تھا۔ وہ کمبل ایک طرف ہٹا کر اٹھ کھڑی ہوئی پھر اچانک چونک کر پلٹی اور کمبل وہیں سے اٹھا کر بیڈ کے گرد سے چکر کاٹ کر اس کی جانب آئی۔ وہ بے خبر سو رہا تھا۔ مضبوط آہنی بازو ہاتھ نیچے جھول رہا تھا۔ اس نے بہت آہستہ سے اس کے ہاتھ کو تھام کر بیڈ پر رکھا اور پھر اس پر کمبل ڈال دیا۔ مطمئن نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔ چھ فٹ سے بھی اونچا لمبا یہ وجیہہ سراپا۔ اس کا تھا' مضبوط فراخ سینہ اس کا تھا' یہ چمکتی پیشانی' مضبوط بازو' چوڑے شانے' تمام اس کی ملکیت تھے' مگر وہ ساحل پر کھڑی ہو کر بھی پیاسی کھڑی تھی۔ اپنی شے تھی' لیکن وہ اسے چور نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ انداز میں استحقاق کے بجائے اجنبیت اور لاتعلقی تھی۔ تمام تعلق تو دل کے ہوتے ہیں اور دل......

وہ کتنی ہی دیر منجمد و ساکت کھڑی اسے یونہی تکتی رہی۔ پیاسے من کو سیراب کرتی رہی۔ چیز اس کی تھی' حق اس کا تھا' لیکن گریز بدستور قائم رہا۔

دل ایک دم باغی ہو کر سرپٹ دوڑنے لگا۔ تبھی وہ گھبرا کر رخ پھیر گئی۔ قدم آگے بڑھائے ہی تھے جب اچانک اپنا ہاتھ یکدم مضبوط گرفت میں جکڑا محسوس ہوا۔ اس نے یکدم ہی پلٹ کر دیکھا۔ دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ بند آنکھوں کے ساتھ اس کا ہاتھ تھامے بدستور لیٹا ہوا تھا۔ اف تو کیا وہ جاگ رہا تھا۔ یہ سوچتے ہی اس کی جان ہوا ہونے لگی' ہاتھ چھڑانا چاہا لیکن گرفت مضبوط تھی۔ وہ بے بس سی ہو کر دوبارہ اسے تکنے لگی۔ دل نے اتھل

سینے میں اتھل پتھل مچا دی تھی۔ آنکھیں بند تھیں مگر وہ یقیناً جاگ رہا تھا۔

''شے اپنی ہو تو مالکانہ حقوق استعمال کرتے ہیں۔ چوروں کی طرح چور دروازے استعمال نہیں کرتے۔'' اس کی بھاری آواز نے کمرے کی خاموش فضا میں ارتعاش سا پیدا کیا اور ساتھ ہی ماہا کے دل کی دنیا بھی زیر و زبر ہو گئی۔ وہ کب سے جاگ رہا تھا اور اس کی تمام حرکات و سکنات کو بھی دیکھ رہا تھا۔ اف۔ اسے بری طرح شرمندگی نے آگھیرا۔ جی چاہا زمین میں گڑ جائے۔ اس کا ہاتھ بدستور اس کی مضبوط گرفت میں تھا۔ چوری پکڑے جانے پر کسی چور کا بھی اتنا برا حال نہیں ہوتا ہوگا جتنا کہ اس کا تھا۔

''ہا...... ہاتھ...... چھوڑیے۔ پلیز۔'' اس نے بمشکل حلق سے آواز برآمد کی۔

''چھوڑنے کے لئے نہیں تھاما۔ مکمل مالکانہ حقوق رکھتے ہیں۔ کوئی چور دروازہ استعمال نہیں کیا۔'' وہ بند آنکھوں کے ساتھ خمار آلود لہجے میں مدھم سرگوشی کر رہا تھا۔ وہ زچ سی ہو کر رونے والی تھی۔ جب اس نے کھینچ کر یکدم اپنے اوپر گرا لیا۔ یہ سب بے حد غیر متوقع تھا۔ اسے سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا اور وہ پل میں اس پر ڈھیر تھی۔

✦◈✖

اگلے دن کے لیے اسے پاکستان کے لیے فلائی کرنا تھا۔ مگر اب اچانک صورتحال اس طرح تبدیل ہوئی تھی کہ اسے مجبوراً اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ پھر ماما پاپا اور خالہ کی جانب سے چوتھی کی رسم کا اصرار بھی تھا۔ دلہن کے ساتھ دلہا کا نہ آنا۔ معیوب اور کسی حد تک بدشگونی سمجھا جاتا تھا۔ تبھی وہ رسماً ماہا کے ساتھ اس کے میکے چلا آیا تھا' مگر اس نے محسوس کیا تھا' کہ ماہا کافی کھوئی کھوئی اور اپ سیٹ ہی نظر آرہی تھی۔ وہ اس سے بات کرنا چاہ رہا تھا' لیکن ہجوم میں بات کرنا نہ تو طریقہ مناسب تھا اور نہ ہی اسے موقع ملا تھا۔ اب بھی وہ جوتا چھپائی کی رسم کے تحت اس سے تگڑے نیگ کی وصولی کے لیے بحث کر رہی تھیں۔ اور وہ مسلسل مسکراتے ہوئے انہیں ٹال رہا تھا۔ وہ ایک کونے میں بزرگ خواتین کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ برائٹ بلو سلک کی ساڑی میں بنا کسی میک اپ کے مکمل توجہ ٹی وی اسکرین کی جانب مبذول کیے وہ بے حد جاذب نظر لگ رہی تھی۔

"دلہا بھائی بے حد کنجوس ہیں آپ تو اپنی سالیوں کی خوشی کے لئے چند سو روپوں کی قربانی نہیں دے سکتے؟" ماہا سے چھوٹی جویریہ نے قدرے خفگی سے کہا تو وہ ہنس دیا۔

"قربانی دینے کے متعلق سوچا جاسکتا ہے مگر حوالہ کوئی اور ہونا چاہیے۔" وہ معنی خیز نظروں سے ماہا کی جانب دیکھتے ہوئے بولا تو تمام کزنز اور سالیاں ہنس پڑیں۔

"واہ۔ جناب آپ تو بہت خوب نکلے۔ گویا ہماری کوئی وقعت نہیں؟ ایک کزن اٹھلا کر بولی تو وہ شرارت سے ہنس دیا۔

"وقعت تو خیر آپ کی بھی کم نہیں سالی ہیں اور سالی کے متعلق مثل تو آپ نے سن رکھی ہوگی!" اس کی حاضر جوابی پر لڑکیاں داد دیے بغیر نہ رہ سکیں۔ گویا وہ ہار ماننے کو قطعی تیار نہ تھا۔ بحث ابھی جاری تھی' تبھی ندا آپی ماہا کو کھینچ لائیں۔

"اپنے میاں کو کچھ سمجھاؤ کہو ورنہ ننگے پاؤں واپس جانا پڑے گا۔ ہم جوتا واپس نہیں دیں گے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولیں تو وہ بھی مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔ وہ حسبِ معمول سنجیدہ نظر آرہی تھی۔ لڑکیوں کے اصرار پر دھیرے سے سر جھکا کر اسے دیکھنے لگی۔

"دے دیجئے نا!"

اور تب اس نے مسکراتے ہوئے جیب سے پرس نکال کر ان کو ادائیگی کر دی۔

"ارے واہ! ہم گھنٹہ بھر سے ایسے ہی بحث کرتے رہے پہلے ہی ماہا کو لے آتے تو اتنی مشکل تو پیش نہ آتی!" ایک کزن مسکراتے ہوئے بولی تو وہ دھیمے سے مسکرا کر سر جھکا گئی۔

"ظاہر ہے۔ ہماری گورنمنٹ کا جو آرڈر ہوگا اسے تو ہمیں ماننا ہی پڑے گا نا۔" وہ اس کے چہرے پر بھرپور نگاہ ڈالتا ہوا بولا تو تمام لڑکیاں ہنسنے لگیں۔ جانے یہ محفل اور کتنی دیر جمی رہتی کہ تبھی خالہ نے آکر محفل برخاست کرنے کا حکم صادر کر دیا۔

"بس بھئی بچیو! تم چلو اب رات بہت ہوگئی ہے۔ دلہا میاں آرام کریں گے۔ باقی باتیں صبح کر لینا۔"

اور تب خدا خدا کر کے وہ لوگ رخصت ہوئیں اور اسے اس کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ وہ کافی دیر کھڑا کمرے کا جائزہ لیتا رہا۔ یہ یقیناً اسی کا کمرہ تھا۔ بہت نفاست کے ساتھ آراستہ کلر اسکیم۔ پردے۔ کارپٹ فرنیچر ڈیکوریشن پیس سب کمال درجے کے ذوق کے حامل لگ رہے تھے وہ کافی دیر تک سائیڈ ٹیبل پر رکھی اس کی تصویر کو دیکھتا رہا پھر بیڈ پر آگیا کشن پشت میں رکھ کر قدرے نیم دراز ہوگیا پھر یونہی دل بہلانے کو ٹی وی سیٹ آن کر لیا اور یونہی چینلز بدلنے لگا۔ نظریں اضطراری انداز میں بار بار گھڑی کی سوئیوں پر ٹک جاتیں۔

(یقیناً کسی کا انتظار کرنا دشوار ترین عمل ہے) اس کا انتظار کہیں لاحاصل تو نہیں وہ آئے گی یا نہیں۔ وہ ابھی یہی سوچ رہا تھا تبھی وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی وہ جھٹ اس سمت دیکھنے لگا۔ ہاتھ میں دودھ کا گلاس لیے وہ کاٹن کے سادہ سے سوٹ میں ملبوس بے حد سادہ سی لگ رہی تھی۔

"دودھ لے لیجیے!"

"رکھ دیجئے!" پرتکلف لہجے کے جواب میں وہ بولا۔ اس نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر تیزی سے پلٹنے لگی تھی' جب اس نے آنچل تھام لیا۔ وہ پلٹ کر سوالیہ

نظروں سے دیکھنے لگی۔

"ذرا بیٹھو مجھے ایک ضروری بات کہنی ہے۔" ماہا نے اسے دیکھا پھر سر جھکا گئی۔ (ایک تو یہ لڑکی جانے کیوں اسے احساس جرم میں مبتلا کر رہی تھی)

"مجھے نیند آ رہی ہے!" اس کی آواز اور لہجہ دھیما تھا۔

"شب بھر میں بھی نہیں سویا۔" وہ دھیمے انداز میں مسکرایا۔ وہ چونک کر اس کی سمت دیکھنے لگی پھر سر جھکا کر ہونٹ کاٹنے لگی۔

"تم یہاں نہیں سوؤ گی۔" وہ یکدم پوچھ گیا۔ اس نے ایک نظر اسے دیکھا پھر سر نفی میں ہلا دیا۔

"یہ کمرہ تمہارا ہے۔"

"ہوں۔"

"بہت خوبصورت ہے بالکل تمہاری طرح نفیس اور جاذب نظر۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ وہ یکدم چونک کر دیکھنے لگی۔ وہ دوستانہ انداز میں مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔ میں آدم خور نہیں ہوں!" تبھی وہ بولا تو شرمندہ سی ہو کر بیڈ کے کونے پر ٹک گئی۔

"مجھ سے ڈرتی ہو؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ماہا کا دل یکبارگی تیزی سے دھڑکنے لگا۔

"ن۔ نہیں تو۔" وہ یقیناً یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ پھر مجھ سے دور کیوں بھاگ رہی ہو؟ اور وہ سمجھتے ہوئے بھی انجان بن گئی وہ اطمینان کے ساتھ شرٹ اتارنے لگا۔

"آپ کچھ کہنے والے تھے؟" خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ دل یکدم کانوں میں دھڑکنے لگا تھا۔

"ہوں۔ گرمی کچھ زیادہ نہیں ہو رہی۔ اے سی کی کولنگ بڑھا دو پلیز۔" موسم ان دنوں خاصا خوشگوار تھا۔ اکتوبر کے اوائل کے دن تھے' مگر اسے مجبوراً حکم کی پاس داری کرنا پڑی اے سی کی کولنگ کر کے واپس اس کے پاس آن رکی۔

"اس طرح کیوں کھڑی ہو کیا مار کر بھاگنے کا ارادہ ہے؟" اس کا انداز شرارت سے پُر تھا۔ مگر وہ مسکرا بھی نہیں سکی تھی۔ یونہی کھڑی رہی تھی اور تب اس نے ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب

گرا لیا تھا۔

"آپ کو جو بھی کہنا ہے جلدی کیجئے۔" وہ سنبھل کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"کیوں تمہاری ٹرین چھوٹی جا رہی ہے کیا؟" یکدم وہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔ "ماہا تم بیوی ہو میری' کیا مجھے اتنا بھی حق نہیں کہ تمہیں قریب بٹھا کر کچھ کہہ سکوں۔ جائز تعلق ہے ہمارے بیچ۔ لیکن تمہارا انداز دیکھ کر مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں کسی جرم کا ارتکاب کر رہا ہوں۔ تمہارے گھر میں جتنے بھی لوگ ہیں۔ انہوں نے اپنی مکمل رضامندی اور خوشی سے تمہیں مجھے سونپا ہے اور یہ بات اس گھر میں موجود لوگ ہی نہیں تم بھی جانتی ہو کہ میں تمہارا شوہر ہوں پھر یہ ڈر اور گریز چہ معنی؟"

"ہمارے ہاں کے لوگ خاصے قدامت پرست واقع ہوئے ہیں پھر یہ بات مجھے خود بھی مناسب نہیں لگتی۔" وہ خجل سے انداز میں کہہ کر سر جھکا گئی۔

"اعیان نے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا پھر بولا۔

"احتیاط ایک طرف۔ مگر اب ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ بندہ بات کو ترس جائے۔"

"آپ کچھ کہنے والے تھے۔" وہ کچھ اور بھی کہنے والا تھا' جب اس نے سر اٹھا کر یکدم اسے یاد دلایا۔ وہ خاموش ہو کر اسے تکنے لگا پھر یکدم دھیمے انداز میں مسکرا دیا۔

پھر وہ اس کا مخروطی ہاتھ تھام کر دھیمے انداز میں مسکرایا تھا اور ماہا کے دل کی دھڑکنیں لمحہ بھر میں ہی زیر و زبر ہو گئی تھیں۔ تبھی وہ بولا تھا۔

"اپنے جائز حق سے میں کبھی بھی دستبردار نہیں ہو سکتا۔ جو شے میری ہے وہ میری ہی ہے اسے حاصل کرنے سے مجھے کوئی باز نہیں رکھ سکتا۔" اس کے ہاتھ پر بنے مہندی کے نقش و نگار کو وہ دیکھتے ہوئے سرسری سے لہجے میں بولا تھا۔ لہجہ بے معنی اور بات نظر انداز کیے جانے کے قابل یقیناً نہیں تھی وہ بھی نا سمجھ نہ تھی۔ نشانہ یقیناً اس کا بلاوجہ یا گریز اور سرد رویہ تھا۔ تبھی وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا تھا۔

"بہر حال انسان ہوں فرشتہ نہیں' مگر اس کے باوجود اپنے نفس پر قابو پانے کا ہنر جانتا ہوں اپنی جائز شے کو چور دروازوں کے ذریعے حاصل کرنا میرے نزدیک بھی معیوب فعل ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مزید بولا تھا۔ "میں بہت اچھا نہیں ہوں مگر بہت برا بھی نہیں ہوں۔ میاں بیوی کے رشتے کی حقیقت ایک طرف لیکن میں کسی بھی رشتے کی

بنیاد "اعتماد" و "بھروسے" کو قرار دیتا ہوں۔ ایک شوہر ہونے کی حیثیت سے نہ سہی لیکن میں چاہتا ہوں کہ ایک دوست کی حیثیت سے تم میرا اعتبار کرو' مجھ پر اعتماد کرو۔ اگر تم مجھے یہ شرف عطا کرو گی تو یقیناً یہ میری خوش بختی ہو گی وہ دور گزر چکا جب بیوی کو پاؤں کی جوتی سمجھا جاتا تھا' کم از کم میں تو اس لوجک کو رد کرتا ہوں جس میں ایک فریق زمین سے لگا بیٹھا ہو اور دوسرا ساتویں آسمان پر براجمان نظر آئے حقوق کی ترسیل مساویانہ بنیادوں پر ہی ہو سکتی ہے۔ تم پڑھی لکھی ہو۔ باشعور ہو' یہ بات تو تم بھی اچھی طرح جانتی ہو گی۔" اس نے رک کر اس کی جانب دیکھا تو ماہا نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ تبھی وہ بولا۔

"ساری صورتحال تمہارے سامنے ہے۔ جو کچھ بھی ہوا ہے اس سے تم واقف ہو میں بھی تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر چکا ہوں۔ اب مجھے یہ بتاؤ کہ تم کیا چاہتی ہو تمہاری یہ خاموشی۔ یہ گریز یقیناً بے معنی نہیں ہے۔" وہ لمحہ بھر کو رکا' مگر اس نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا' تبھی وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

"دوسری بات یہ کہ ہم جلد ہی پاکستان کے لیے روانہ ہو رہے ہیں۔" اپنی پیکنگ وغیرہ مکمل کر لو۔" اس کی یہ بات اتنی غیر متوقع تھی کہ وہ یکدم سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ بھی جیسے اس کی کیفیت سمجھ گیا' تبھی خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ تب وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی گردن جھکا گئی۔

"مجھے اسکالر شپ مل گئی ہے' میں ہائر اسٹڈی کے لیے عنقریب باہر جا رہی ہوں۔"

"اس فرار سے کیا حقیقت بدل جائے گی؟" وہ اس کے چہرے کو تھام کر عین اس کی نظروں میں دیکھتے ہوئے اعتماد سے بولا تو جیسے اس کی ہمت جواب دے گئی یکدم آنکھیں بھریں اور چھلک بھی گئیں وہ کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی اس کے سامنے مگر کمبخت آنسوؤں پر اس کا اختیار بھی نہیں رہا تھا سو اب بھی بے توقیر کر گئے۔

"اس نے دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر تمام موتیوں کو اپنی پوروں پر چن لیا۔

"جو بھی دل میں ہے اسے کہہ دو!"

اور تب وہ بول پڑی۔

"میں اتنی باہمت نہیں ہوں نہ ہی اتنی وسیع النظر و وسیع القلب واقع ہوئی ہوں' آپ نے صحیح کہا کہ تمام صورتحال میرے سامنے تھی' اور اسی لیے میں مسلسل انکار کر رہی تھی' مگر گھر

والوں کی عزت و ناموس کے لئے مجھے مجبوراً آپ کی زندگی میں داخل ہونا پڑا۔ دوسرے لفظوں میں مسلط ہونا پڑا۔ میں یہ بھی جانتی ہوں آپ نے بھی یہ فیصلہ اپنی خوشی و رضا مندی سے کم اور دباؤ سے زیادہ انجام دیا ہے' کیونکہ میں جانتی ہوں' کہ میں آپ کی خواہش یا آرزو ہرگز نہیں تھی۔ یقیناً خاندانی وقار و عزت کے پاس کے لئے آپ کو بھی۔"

"میں ایک باشعور ذی ہوش انسان ہوں' اور تمام فیصلے عقل سے ہی کرتا ہوں' تم میری زندگی و ذات کا حصہ تو بہت پہلے سے تھیں' لیکن تمہیں باضابطہ طور پر اپنی زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ بھی سراسر میرا ذاتی ہے۔ مجھے قطعاً کسی نے مجبور نہیں کیا' اور تم یہ بھی مت سمجھو کہ میں ہمدردی کا چولا پہن کر تمہیں "دان" کر رہا ہوں' نہ تو میں کوئی ساہوکار ہوں اور نہ ہی کوئی سخی صفت درویش' یہ بات سچ ہے کہ میں ایک درد مند حساس دل رکھتا ہوں' اور تمہیں اپنانے کا مقصد بھی اپنے ضمیر کے سامنے "جواب دہی" کا جزو تھا' میرے والدین نے اس رشتے سے بے خبر رکھ کر یقیناً اچھا نہیں کیا' ورنہ میں زندگی میں کبھی بھی اتنا بڑا قدم نہ اٹھاتا۔ باخدا اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ میں انڈیا کسی عام سی لڑکی کو نہیں اپنی منکوحہ کو دیکھنے جا رہا ہوں' تو یقیناً یہاں آ کر ایک نگاہ غلط انداز میں کسی اور پر نہ ڈالتا' مگر مجھے افسوس اسی بات کا ہے کہ مجھے بے خبر رکھا گیا۔ تمہیں فقط ایک کزن کی حیثیت سے متعارف کرایا گیا' اور میں یہ سمجھ بیٹھا کہ پسند و ناپسند کا اختیار میرے پاس ہے' اس لیے میں نے وقتی طور پر تمہیں رد بھی کر دیا' اب یہ مت سمجھ لینا کہ جان بوجھ کر رد کیا' بلکہ تم جانتی ہو میں کسی کو زبان دے چکا تھا۔ عہد کر چکا تھا جو کہ مجھے ہر صورت میں پورا کرنا تھا۔ تمہیں رد کرنے کا مقصد تمہاری انا یا خودداری کو زک پہنچانا نہیں تھا' میرا مقصد کبھی بھی کسی کی تذلیل کرنے کا ہرگز نہ رہا تھا' یہ قدرت کے فیصلے تھے' جنہیں ہمیں قبول کرنا تھا۔ سو میں نے قبول کیا۔ مکمل رضا مندی اور آمادگی کے ساتھ دل' محبت' ایک طرف مگر تمہیں جب اپنی زندگی میں شامل کیا ہے' تو تمہاری تمام تر ذمے داری بھی میرے کاندھوں پر آ جاتی ہے۔ تمہیں خوش رکھنا مطمئن رکھنا۔ سکھ دینا' سب میرے فرائض میں شامل ہے' اور ان فرائض کو منصفانہ طریقے سے پورا کرنا ہی میرا فرض تھا۔ مگر اس کا مقصد یہ بھی نہیں کہ میرا دل تمہارے لیے نہیں ہے' یقیناً دل آمادہ تھا' تو اتنا بڑا فیصلہ کیا' ورنہ تمہاری زندگی کو برباد کرنے کا مجھے کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ تم باشعور اور عقلمند لڑکی ہو' یقیناً میری بات کو سمجھ سکتی ہو' جذبات اچھی چیز ہیں' لیکن ہمیشہ جذبات

سے بھی کام لینا مناسب نہیں۔ ابھی تم وقتی طور پر فرار چاہ رہی ہو۔ لیکن سوچو یہ فرار کب تک ہوگا' دو سال' چار سال آخر کار تو تمہیں میرے پاس ہی لوٹنا ہے کہ میں تمہیں کبھی بھی اپنی زندگی سے خارج نہیں کروں گا' یہ بات تو طے شدہ اور تسلیم شدہ ہے' دوسری اور آخری یہ کہ سارے تعلقات دل سے ہی تو نہیں بنتے پھر کیا ضروری ہے کہ محبت بھی فقط ایک ہی شخص کے لیے مختص ہو کر رہ جائے۔ تمہیں کیا یقین ہے کہ میں تمہیں کبھی محبت نہیں دے پاؤں گا۔''

وہ بہت خاموشی سے سنتی اچانک سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی' تبھی اس نے دوستانہ انداز میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''قربت اپنائیت اور محبت کو جنم دیتی ہے' اور شادی تو ایسا بندھن ہے کہ دو یکسر اجنبی افراد بھی ایک دوجے کے بے حد قریب آجاتے ہیں' دو بولوں کی کچی ڈور بے حد مضبوط تعلقات استوار کرتی ہے یہ بات اٹل حقیقت ہے ہمارے معاشرے میں کتنی لو میرج ہوتی ہیں؟ اور کامیاب رہتی ہیں؟ یہ بات تم بھی بخوبی جانتی ہوگی' یہ ساری کہانیوں کی باتیں ہیں' سچ تو یہ ہے کہ شادی ایک مضبوط بندھن ہے' جو محبت' خلوص اور اعتماد کو جنم دیتا ہے۔ کیا غلط کہہ رہا ہوں؟'' اس نے مسکرا کر اس سے تصدیق چاہی' تو اس نے جھکے سر کو نفی میں ہلا دیا' تب اس نے دھیرے سے اس کے چہرے کو اوپر اٹھایا۔

''کیا اب بھی بھاگو گی مجھ سے؟'' وہ عین آنکھوں میں جھانکتا ہوا پوچھ رہا تھا' ماہا نے اسے ایک نظر دیکھا پھر سر جھکا گئی۔

''مگر وہ جمیلہ؟'' اس کے انداز میں جانے کیا بات تھی کہ وہ یکدم مسکرا دیا۔

''وہ تو دوست ہے تمہاری۔ بیسٹ فرینڈ۔ بچپن سے ساتھ ہی رہی ہو تاحیات کیا یہ ساتھ خوشی سے اور سلوک سے نہیں نبھا سکتیں؟ پتا نہیں وہ مذاق کر رہا تھا' یا واقعی سنجیدہ تھا وہ سمجھ نہ پائی' تبھی کچھ بولی بھی نہیں۔ اسے خاموش دیکھ کر وہ کہنے لگا۔

''تمہیں تو شکر گزار ہونا چاہیے میرا کہ تم دونوں کو سدا کے لئے اکٹھا کر دیا' اب تم دونوں کبھی دور نہیں رہو گی۔'' اس کا انداز بھرپور شریر تھا۔ وہ بھی لمحہ بھر کو مسکرا دی پھر بولی۔

''کیا وہ راضی ہے اس بات کے لئے؟''

''تم راضی ہو؟'' وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگا۔ وہ کوئی بھی جواب دیے بغیر سر جھکا گئی۔

''میں تمہارے جواب کا منتظر ہوں؟''

''فیصلے پل بھر میں تو نہیں ہوتے۔'' اس کی باتوں نے اسے بہت اعتماد دیا تھا' تبھی اب وہ بھی بہت مطمئن سے انداز میں بات کر رہی تھی۔

''دل و نظر کے فیصلے تو پل بھر میں ہی انجام پاتے ہیں' اس کا انداز و لہجہ شرارت سے پُر تھا۔ یقیناً وہ اس کے چہرے کی کتاب پڑھ چکا تھا۔'' آنکھوں سے ہویدا حقیقتوں کو جان چکا تھا وہ رسٹ واچ دیکھتی ہوئی یکدم اٹھ کھڑی ہوئی۔

''جواب سے آگاہ تو کیا ہی نہیں آپ نے؟''

''بعد میں دوں گی۔''

''میرے پاس وقت کم ہے یوں بھی پہلے ہوئے یا طے شدہ فیصلوں پر وقت صرف کرنے والے احمق اور بیوقوف کہلاتے ہیں۔ آنکھیں انسان کی سب سے بڑی گواہ ہوتی ہیں ہمیشہ سچ بولتی ہیں؟'' وہ باور کرا رہا تھا۔ یکدم ہی اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''آپ چہرہ اور نظر شناس ہیں؟''

''کسی حد تک!'' وہ مسکرایا۔

''تو پھر بتایئے میری آنکھیں اور چہرہ کیا کہہ رہے ہیں؟'' جانے کیسے بلا ارادہ پلٹ کر وہ کہہ گئی تھی' اور نتیجے میں اب خجل سی سر جھکائے کھڑی تھی' اور اس کی کیفیت پر خفیف سا مسکرایا' پھر دھیرے سے اٹھ کر اس کے مقابل آن کھڑا ہوا' چند ثانیے تک بھرپور نظروں سے اس کا جائزہ لیتا رہا' اس کی نظریں جیسے اس کے اوسان خطا کرنے لگیں' اس کے قرب حواسوں پر بجلی سی گرانے لگی۔ فراخ سینہ اس کے بے حد قریب تھا' دل کی امنگیں جیسے بیدار ہونے لگیں دل سینے میں اس قدر تیزی سے دھڑکنے لگا گویا ابھی پسلیاں توڑ کر باہر آجائے گا' وہ پلٹ کر بھاگ جانا چاہتی تھی' مگر تبھی ہاتھ بڑھا کر اس نے اسے آہنی گرفت میں لے لیا۔ پھر بائیں ہاتھ سے اس کا چہرہ اوپر اٹھاتے ہوئے بولا۔

''ہوں آنکھوں میں بھید تو ہیں کچھ''

اس کی پلکوں کی لرزش اور بھی بڑھ گئی وہ مزید جائزہ لینے لگا۔

''چہرہ بھی کچھ کہہ رہا ہے مگر میں جواب دوں گا تو شاید تم اسے گستاخی جانو گی۔'' اس کا دھیما پرتپش لہجہ اس کی سماعتوں میں جیسے رس سا گھول گیا وہ اس قدر قریب تھا کہ دھڑکنوں کی آوازیں تک بخوبی کانوں تک پہنچ رہی تھی اس کی نظروں کی تپش سے جسم و جان جیسے پگھل

سے رہے تھے۔

''اجازت ہے۔'' دھیمے سے مسکراتے ہوئے اس نے باقاعدہ ''اجازت نامہ'' طلب کیا تھا مگر وہ اپنی دھڑکنوں کو سنبھالنے میں اتنی بری طرح مصروف تھی کہ اس کی بات سن ہی نہ سکی' اس کی آنکھوں کی شرارت لہجے کی شوخی کچھ بھی تو نہیں جان پائی تھی' وہ اور تقریباً بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ اعیان اس کے حیا آلود انداز پر' بلکہ سر پر پاؤں دھر کے بھاگ جانے کی کیفیت پر بھرپور طور پر محظوظ ہو کر مسکرایا تھا۔

اور وہ جو وہاں سے بھاگی تھی تو کمرے میں آ کر ہی دم لیا تھا' (جویریہ کے اور اپنے حالیہ مشترکہ کمرے میں)' کتنی ہی دیر تک دروازے سے لگ کر گہرے گہرے سانس لیتی رہی تھی۔ پھر ایک دلکش تصور کو یادداشت کے خانے میں محفوظ کرتے ہوئے چہرے پر ہاتھ رکھ کر دلکشی سے مسکرا دی تھی۔ دھڑکنوں میں ابھی بھی ارتعاش سا تھا اس کی خوشبو جیسے اس کے سنگ ہو لی تھی۔

جویریہ بے خبر سو رہی تھی' گو نیند اس کی آنکھوں سے اب اڑ چکی تھی' مگر وہ اس کے برابر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

✦ ◈ ✦

دوسرے دن ماما پاپا ہوٹل سے انہیں رسم کے طور پر واپس لینے آ گئے' باقی رشتے داروں میں سے کچھ تو واپس روانہ ہو گئے تھے' اور کچھ یہاں رشتے داروں سے ملنے میں مصروف تھے۔ ماما کے والدین کا کہنا تھا کہ ان لوگوں (اعیان کو اس کے ماما پاپا) انہیں کے ہاں قیام کرنا چاہیے۔ جتنے دن تک وہ یہاں ہیں' مگر انہوں نے سہولت سے منع کر دیا تھا۔

''آپا آپ غلط کر رہی ہیں کیا یہ گھر آپ کا نہیں؟'' ماہا کی امی نے بہن سے شکوہ کیا تھا۔

''سائرہ گھر تو اپنا ہی ہے' مگر اب فقط بہن ہی نہیں ہو تم میری سمدھن بھی ہو اور سمدھن کے ہاں زیادہ دن قیام اچھا نہیں ہوتا' پھر اور لوگ بھی ہیں میں خود یہاں آ رہا ہوں' وہ سب ہوٹل میں پڑے رہیں تو مناسب نہیں لگتا۔'' انہوں نے سہولت سے کہا تو وہ چپ ہو گئیں تبھی ماہا سبز کامدار ساڑھی میں تیار باہر آئی' تو وہ اس سے ملنے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''آداب!'' ماہا نے احترام سے سلام کیا۔

''جیتی رہو!'' انہوں نے اسے ساتھ لگا کر پیار کیا۔ ''میں تو اپنی بیٹی کی صورت دیکھنے کو ترس گئی تھی!'' انہوں نے محبت سے کہا تو وہ مسکرا دی' تبھی اعیان پشت سے برآمد ہوا۔

''بہو کے ملتے ہی اپنے بیٹے کو بھول گئیں آپ؟'' اس کے شرارت سے پُر شکوے پر ماما ہنس پڑیں۔

''تُو۔ تو جان ہے میری! مگر کہتے ہیں نا مول سے سود زیادہ پیارا ہوتا ہے۔''

''مگر ماما سود تو فی الحال ناپید ہے۔'' وہ پُر شرارت سے انداز میں بے ساختہ ہی بولا تھا اور جہاں کمرے میں موجود لوگ بے ساختہ ہنسے تھے' وہیں وہ جھینپ کر رہ گئی تھی۔

''بے عقل کہیں کا۔'' ماما نے مسکراتے ہوئے اسے ایک چپت رسید کی۔

''ماما۔ پاپا کہاں ہیں؟''

''وہ تمہارے خالو کے ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے ہیں ملے نہیں کیا تم ان سے؟''

''جا رہا ہوں!'' وہ اس کے سرخ جھکے چہرے پر ایک نگاہ غلط انداز میں ڈالتا ہوا باہر نکل گیا۔

پھر اسے لوٹ تو دوسرے ہی دن جانا تھا' مگر سبھی رشتے داروں کے پرزور اصرار پر انہیں رکنا پڑا کہ عرصے بعد یہاں آنا ہوا تھا' اور اب سبھی نئے جوڑے کی آؤ بھگت کرنا' اور ملنا چاہ رہے تھے۔ دوسرے ایک اہم کام اور بھی نمٹانا تھا' یہی بات سوچ کر اس نے اپنا ارادہ از خود ملتوی کر دیا تھا۔ وہ بجیلہ کو اب ہر صورت ساتھ لے جانا چاہ رہا تھا' اور اس کے لئے اسے ماما پاپا کی رضا بھی درکار تھی' وہ اسے دوبارہ کسی نئی آزمائش کے لئے یہاں چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا۔ تبھی اسے ساتھ لے جانے کی عملاً تیاریاں کرنے لگا۔ ماما پاپا سے بھی بات کرنا ضروری تھا' مگر ان دنوں دعوتوں میں وہ لوگ اتنے مصروف تھے کہ اسے وقت ہی نہ ملا' اور اس دن اچانک ہی ماما نے انہیں ہنی مون پریڈ کے لیے ہندوستان کے دلکش علاقوں میں جانے کی اُنے دی تو جانے کیوں دونوں ہی چپ سے ہو گئے۔ بہرحال ماما کے سامنے وہ دونوں کچھ نہیں بولے' مگر جونہی وہ گئیں ماہا دھیرے سے بولی۔

''آپ کو جلد از جلد ماما پاپا کو بجیلہ کے متعلق آگاہ کر دینا چاہیے۔''

''ہوں میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔''

''آپ نے اسے ساتھ لے جانے کا بندوبست تو کر لیا ہے نا؟'' وہ ذمے دارانہ لہجے

میں پوچھتی ہوئی جانے کیوں اعیان کو بے حد مخلص اور اپنی سی لگی۔

"ہوں!" پھر جانے کیوں پوچھ بیٹھا۔

"تم نے ماما کی بات سنی۔ کیا تم ہنی مون کے لئے جانا چاہتی ہو؟"

اور وہ جو مکمل اعتماد کے ساتھ بیٹھی ہوئی گفتگو کر رہی تھی' یکدم ہی بلش ہوگئی۔ بلا ارادہ نگاہ اٹھ گئی' وہ مبہم سے انداز میں مسکرایا۔ وہ فوراً نگاہ جھکا گئی۔

"یہ بات اس وقت اتنی اہم نہیں پھر میں کسی کے حقوق غصب کر کے کوئی الزام اپنے سر نہیں لے سکتی۔"

"تم بڑی ہو۔ حق تو پہلا تمہارا ہی ہے!" وہ یکدم شرارت سے پُر انداز میں مسکرایا وہ خجل سی ہوگئی۔

"میں خود غرض نہیں بن سکتی!"

"خود غرضی کی کیا بات ہے اس کا حق اسے مل چکا ہے جب کہ تم" وہ بات ادھوری چھوڑ کر مسکرایا وہ نگاہ اٹھا کر اسے دیکھنے کی جسارت نہ کر سکی مگر اس کے تیروں سے بچنے کے لئے "حفاظتی بند" باندھتی ہوئی فوراً بولی۔

"میں اس سے ملنا چاہتی ہوں!"

"کیوں کیا اسے بھی اپنے ہنی مون پریڈ میں شامل کرنا چاہتی ہو!" اس کا انداز بدستور قائم تھا وہ کچھ نہ کہہ سکی یونہی سر جھکا کر ناخنوں سے کیوٹکس کھرچنے لگی۔ اسے شاید اس پ[illegible] آ گیا' تبھی مسکراتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر لیا۔

"ویسے میرا پروگرام یورپ کا تھا۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"مجھے نہیں پتا۔" وہ زچ سے انداز میں بولی تو وہ یکدم بلند آواز میں ہنس پڑا۔

"اچھا۔ بتاؤ کب ملنا چاہتی ہو؟"

"جب آپ لے چلیں۔"

"چلو تیار ہو جاؤ۔"

وہ اس کا مکمل جائزہ لیتے ہوئے بولا' تو وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ وارڈ روب سے کپڑے نکال رہی تھی تبھی وہ بولا۔

"ایک سوتن سے ملنے کے لیے اتنا ذوق و شوق پہلی مرتبہ دیکھنے میں آیا ہے۔"

"سوتن تو وہ بعد میں بنی ہے' پہلے بہت اچھی دوست ہے۔" اس نے برجستہ جواب دیا۔

"کیا یہ دوستی مستقبل میں بھی بدستور قائم و دائم رہنے کے امکانات ہیں؟"

"ضرور اگر دشمنوں کی نظر نہ لگی تو!" وہ بے ساختہ کہہ کر باتھ روم میں گھس گئی۔ ایک گہری مسکراہٹ یکدم ہی اس کے لبوں پر پھیل گئی تھی۔

اعیان اسے خالہ کے ہاں چھوڑ کر خود جانے کہاں نکل گیا۔ بجیلہ باتھ لے رہی تھی' اس لئے وہ بیٹھی خالہ سے باتیں کرتی رہی۔ لیکن اس کے دل و دماغ میں مسلسل بے کلی سی مچی ہوئی تھی' جانے وہ اسے سامنے دیکھ کر کیا رسپانس دیتی کیا کہتی؟ وہ اگرچہ مکمل پرسکون اور پر اعتماد نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی' مگر اس کی اندرونی کیفیت اس کے برعکس تھی' دل و دماغ میں کئی خدشے تھے۔ وہ ہی سوچوں میں غلطاں تھی خالہ اس کے لئے چائے بنانے گئی ہوئی تھیں' جب اچانک ہی وہ کمرے میں داخل ہوئی' وہ اٹھ کھڑی ہوگئی اس کے چہرے پر دوستانہ مسکراہٹ سجی تھی۔ بجیلہ نے یکدم اسے ٹھہر کر سر سے پاؤں تلک دیکھا مسٹرڈ ساڑھی کے ساتھ ہلکا سا گولڈ کا سیٹ پہنے لائٹ سے میک اپ کے ساتھ وہ خاصی دلکش اور باوقار لگ رہی تھی۔

"مکمل شاہکار۔" معزز' عزت دار۔ شخصیت کے تمام پرتو بے مثال تھے۔ مکمل طور پر "مسز اعیان عمر شیخ" کے ترجماں۔ لمحہ بھر کو جیسے رقابت کا ایک جذبہ اس کے دل میں عود کر آیا۔ ماہا جیسے اس کی کیفیتوں کو بھانپتے ہوئے مسکرائی۔

"ہیلو!"

وہ ذرا سی چونکی۔ پھر دوسرے ہی پل سر جھٹکتے ہوئے مسکراتی ہوئی آگے بڑھ آئی اور بھرپور گرم جوشی کے ساتھ گلے ملتے ہوئے بولی۔

"شکر ہے تمہیں میری یاد تو آئی۔"

"یاد تو مجھے تھی مگر۔" وہ جانے کیوں بات ادھوری چھوڑ گئی' پھر ان کے درمیان جانے کیوں مکمل خاموشی حائل ہوگئی۔

"کوئی ...... کوئی بات کرو نا۔" ماہا نے مکمل خاموشی سے گھبرا کر جیسے اسے مخاطب کیا خالہ کو جیسے موقع محل کا احساس تھا' تبھی وہ قصداً وہاں نہیں آئی تھیں۔ شاید وہ بھی مکمل وقت انہیں

دینا چاہ رہی تھیں' اور اعیان کی سوچ بھی یقیناً یہی تھی۔تبھی تو وہ اسے یہاں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

"ہوں۔تم۔تم کچھ کہنا۔" جمیلہ اچانک چونک کر مسکرائی۔ انداز پر تکلف اور اجنبی سا محسوس ہو رہا تھا' کیسی عجیب بات تھی' بچپن سے وہ ساتھ رہی تھیں' ساتھ پلی بڑھی تھیں' ساتھ کھیلیں تھیں' مگر اب زندگی کے اس موڑ پر جانے کیوں یکدم ہی اجنبی ہو کر رہ گئی تھیں' مگر دونوں کو ہی شاید اس بات کا احساس بھی تھا' دونوں ہی شاید اپنے رویوں کا تدارک کرنا چاہ رہی تھیں۔ مگر فی الحال جیسے دونوں ہی ناکام تھیں۔ دو جملوں کے تبادلے کے بعد ان کے درمیان پھر ایک خاموشی سی چھا گئی' تبھی ماہا تمام ہمتیں مجتمع کر کے بولی۔

"جو کچھ بھی ہوا یقیناً اس میں ارادی کیفیت کو دخل حاصل نہیں رہا۔ پھر ہمیں ایک دوسرے کو مجرم سمجھنے کا بھی کوئی حق نہیں' اگرچہ صورتحال کو قبول کرنا ہمارا فرض ہے۔لیکن پھر بھی اگر میری وجہ سے اگر کسی کو زک پہنچنے کا احتمال ہو تو میں باخوشی راہ گزر بدلنے کو تیار ہوں' میں ان لوگوں میں سے نہیں جو تقدیر کا لکھا جان کر بڑے سے بڑا جبر سہہ جاتے ہیں۔ خدا گواہ ہے میں نے کبھی کسی کا حق غصب کرنے کے متعلق نہیں سوچا' اور اب بھی جبکہ شادی کو دس دن ہو گئے میں نے قانونی و شرعی حقوق حاصل ہوتے ہوئے بھی اپنا کوئی حق حاصل کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی' اور ایسا میں نے قصداً کیا ہے' کیونکہ میں جانتی ہوں کہ وہ کسی اور کی امانت ہیں کسی اور کا حق ہیں میں تو بس اتفاقاً ہی ان کی زندگی میں داخل ہو گئی' اور ان پر مسلط کر دی گئی' ان کی خواہشوں کا محور تو یقیناً تم ہو' میں اگرچہ حالات کی ستم ظریفی کے باعث ان کی زندگی میں داخل تو ہو گئی ہوں' لیکن مستقل قیام کے لئے میری اپنی مرضی یا رائے کو دخل نہیں۔"

اس کا لہجہ سنجیدہ اور ٹھہرا ٹھہرا سا تھا۔

لیکن اگر وقت مجھے کسی کے "بیچ" لے آیا ہے' تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں وقت کے رحم و کرم پر ہو کر اس سیل رواں میں بہہ نکلوں گی' بلکہ اپنی راہیں آپ متعین کرنے کا حوصلہ اور عزم میرے اندر موجود ہے' سوال اگرچہ طویل ہے۔لیکن مفہوم بے حد واضح ہے' میں تمہارا جواب چاہتی ہوں۔" وہ کہہ کر اس کی سمت دیکھنے لگی' جمیلہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا' اور دیکھتی چلی گئی پھر بولی۔

"خود کو اتنا عظیم مت کرو کہ کوئی تمہاری دھول چھونا بھی چاہے تو نہ چھو سکے۔ میں عورت ہوں' عورت کے دکھ سمجھ سکتی ہوں۔ رواداری میں اپنا آپ گنوا دینا یقیناً عقل مندی نہیں' میں تمہاری عظمت کی قائل ہو چکی ہوں۔ محبت انسان کو تنگ دل اور تنگ نظر بنا دیتی ہے۔ایسا سنا تھا میں نے کہ انسان اپنی شے پر کسی اور کی ایک نظر بھی برداشت نہیں کر سکتا' لیکن محبت ایثار و قربانی کا بھی دوسرا نام ہے۔ وسعت اور بلند نظری کو بھی ظاہر کرتی ہے' اور یہ محبت کی معراج ہوتی ہے کہ جب بندہ ہر سوچ سے بالاتر ہو کر فقط محبت کے متعلق سوچتا ہے۔تب اس کے لئے کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا۔ محبت دلوں کو اٹوٹ بندھنوں میں باندھتی ہے کچھ لیتی ہے تو بہت کچھ دیتی بھی ہے' جیسے کہ تم مجھے نواز رہی ہو۔ وہ سب کچھ ہے تمہارا' لیکن تم انہیں میری دہلیز پر چھوڑ گئیں۔ مجھے اعتراف ہے تمہاری جگہ اگر میں ہوتی تو کبھی اس اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ نہ کر پاتی' لیکن آفرین ہے تم پر میں تمہاری ممنون ہوں۔ مقروض ہوں' احسان مند ہوں' مجھے مزید شرمندہ مت کرو۔ وہ میرا کچھ ہونے سے قبل تمہارے بہت کچھ تھے' لیکن تقدیر جانے کیوں ہمیں اس موڑ پر لے آئی۔ بہرحال کیا ہی بہتر ہوگا کہ ہم تقدیر یا وقت کو دوش دینے کے بجائے ہوش مندی اور مصلحت پسندی کو ترجیح دیں' اور جو وقت کہہ رہا ہے اسے قبول کر لیں' جو کہ حقیقت بھی ہے۔" اس نے کہتے ہوئے یکدم مسکرا کر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا' تو ماہا یکدم چونک کر اسے دیکھنے لگی' تب وہ بے حد پرسکون انداز میں سرہلاتی ہوئی مسکرا دی۔

"وہ جتنے میرے ہیں اتنے ہی تمہارے بھی ہیں' بلکہ ہم دونوں کے ہیں' یہ سچائی اٹل ہے' پھر اسے قبول کرنے میں بھی ہمیں تامل نہیں ہونا چاہیے' چلو مل کر نئی زندگی کو خوش آمدید کہتے ہیں' ہاتھ میں ہاتھ لے کر نئی راہوں پر قدم رکھتے ہیں۔" ماہا نے اسے دیکھا' وہ دوستانہ انداز میں مسکرا رہی تھی۔ آنکھوں میں امید کے دیئے روشن تھے' ماہا یکدم اس سے لپٹ گئی۔

"آج میرے دل سے بہت سا بوجھ سرک گیا ہے۔" جمیلہ نے جیسے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا۔ "لیکن ایک فکر اور پریشانی مسلسل ستا بھی رہی ہے۔" وہ حسرت و یاس بھرے لہجے میں بولی تو ماہا اسے حیرت سے تکنے لگی۔

"وہ کیا؟"

"اگر مجھے اعیان کے والدین نے قبول نہ کیا تو۔" اس کا لہجہ بے حد کمزور تھا۔ "میں تمام کشتیاں جلا کر آئی ہوں' واپسی کا میرے پاس کوئی راستہ نہیں۔" اور تب ماہا نے اس کے

ہاتھ گرم جوشی سے تھام لیے۔

"تم نے اپنی محبت کا ایک عظیم ثبوت دیا ہے' اپنا گھر چھوڑا ہے۔ رشتے ناتے چھوڑے ہیں' مذہب چھوڑا ہے۔ اور اسلام تنگ دل مذہب ہرگز نہیں کہ تمہیں اپنی وسعتوں میں نہ سمیٹے' اعیان شاید ابھی تک انہیں آگاہ ہی نہیں کر پائے ہیں' ورنہ وہ تمہیں قبول کرنے میں یقیناً دیر نہ کرتے۔ ماما پاپا بہت اچھے ہیں' بہت وسیع النظر' پُر شفقت اور باشعور' ایک بہو کے روپ میں وہ تمہیں بلا تامل قبول کریں گے۔ پھر تم انہیں خاندان کا وارث بھی تو سونپنے والی ہو۔" وہ آخر میں شریر سے انداز میں بولی' تو وہ جھینپ سی گئی' تبھی وہ اپنی بات کو جاری رکھتی ہوئی بولی۔

"میری اور تمہاری حیثیت میں کبھی کوئی تفریق نہیں ہوگی' محبت سب سے بڑا ہتھیار ہے اور تم بلاشبہ اس سے لیس ہو' تم ان کے روّیوں کو اس ہتھیار سے بدل بھی سکتی ہو' بشرطیکہ وہ غلط ہوئے جس کی کہ مجھے امید نہیں۔" بجیلہ نے اثبات میں سرہلایا' اور پھر جیسے یاد آتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اف مجھے یاد ہی نہیں رہا۔ نئی نویلی دلہن کی کوئی آؤ بھگت ہی نہیں کی' میں چائے لے کر آتی ہوں۔" ماہا نے مسکراتے ہوئے فوراً اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "نہیں رہنے دو۔ اعیان آنے ہی والے ہوں گے۔ تم بیٹھو یہاں۔"

"وہ گئے کہاں ہیں؟" بجیلہ نے ابھی دریافت کیا ہی تھا' جب اچانک ہی دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوا' بجیلہ کے یہ دیکھ کر تو ہاتھ پاؤں پھول گئے کہ ان کے پیچھے اس کے ماما پاپا بھی تھے۔

"اٹھ کر سلام کرو۔" وہ حیرت کی تصویر بنی یونہی بیٹھی ہوئی تھی' جب ماہا نے اسے یکدم احساس دلایا تب وہ یکدم اٹھ کھڑی ہوئی۔ سر پر جلدی سے دوپٹہ اوڑھا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام جیتی رہو۔" ماما پاپا نے یکے بعد دیگرے اسے دعا دی۔ ماما نے بطور خاص گرم جوشی کے ساتھ اسے ساتھ بھینچ کر پیار کیا۔

"ماشاء اللہ سے چاند کے ٹکڑے ہیں میری دونوں بہوئیں۔"

"اور اس چاند کے متعلق کیا خیال ہے آپ کا۔"

وہ شرارت سے بولا تھا' یکدم ہی اور ماما نے اسے ایک چپت رسید کر دی تھی۔

ماما پاپا کے ماننے کے بعد وہ ماہا کے سامنے بیٹھے ہوئے بولا۔ "مجھے یہ سب کچھ خواب لگ رہا ہے۔"

"کوئی خواب نہیں یہ حقیقت ہے' ایک جیتی جاگتی حقیقت' اور ہی ہمیشہ برقرار رہے گی۔"

"مجھے اپنی خوش قسمتی پر گمان تک نہ تھا' مگر اب یقین آنے لگا ہے۔" وہ دھیمے سے مسکرائی۔

"اپنے اندر کے تمام خدشات کو کسی تاریک گوشے میں دفن کر دو۔ ہمیشہ کے لئے اب موسم بدل گیا ہے۔ رات پھولوں کی آگئی ہے' اب چہار سو موسم بہار رقصاں ہوگا' الفتوں کی شبنم من وتن کو سیراب کرے گی چاہت کی پھوار آشاؤں کا روپ نکھارے گی۔" وہ اس کے بالوں کی لٹوں کو شرارت سے چھوتے ہوئے بولا۔

"اب آنگن میں پھول کھلیں خوشیاں رقص کریں گی!" وہ لجا کر سر جھکا گئی' تبھی وہ اس کے چہرے کو اوپر اٹھاتے ہوئے یکدم پوچھنے لگا۔

"تم خوش ہونا؟" اس کی پرتپش نظروں کو اپنے چہرے پر محسوس کرتے ہوئے وہ نظریں بھی نہ اٹھا سکی۔

"آپ کو کیا لگ رہا ہے؟" جانے کیوں وہ الٹا سوال پوچھ گئی۔

"عمر گزشتہ کی کوئی یاد یا پچھتاوہ تو نہیں ستا رہا؟" وہ دھیمے لہجے میں یکدم پوچھ گیا۔ وہ فوراً نظریں اٹھا کر دیکھنے لگی' پھر دھیمے انداز میں بولی۔

"مجھے عہد گزشتہ میں نہیں حال میں جینا ہے' مجھے معلوم ہے میں جہاں پیچھے مڑکر دیکھوں گی وہیں پتھر کی ہو جاؤں گی' اس لیے میں پیچھے مڑکر نہیں دیکھنا چاہتی' جو میرے پاس ہے وہی سچائی ہے۔ میری عمر کا حاصل ہے' اور مجھے انہی دلوں میں رہنا ہے' جینا ہے' مرنا ہے' یہی مقام میرا سب کچھ ہے۔"

"پھر بھی یاد تو آتی ہوگی وہ رشتے بھولنے والے تو نہیں۔ اگر تم ملنا چاہو تو میری جانب سے کوئی پابندی نہیں' تم جب چاہو ملنے جا سکتی ہو' بلکہ میں خود تمہیں ملوانے لے جاؤں گا۔"

"شکریہ۔ وہ لوگ واقعی بھولنے والے نہیں' لیکن میں جانتی ہوں بابو جی مجھے کبھی اس روپ میں قبول نہیں کریں گے۔" وہ اداسی سے بولی تھی' حوالہ مذہب اور نیا استوار شدہ تعلق

تھا۔

"شاید گزرتا وقت انہیں بدل دے۔ وقت بلند سے بلند پہاڑوں میں شگاف کر ڈالتا ہے۔ وہ تو پھر والد ہیں اور والدین کے دل تو یوں بھی قدرت نے موم سے بنائے ہیں۔!"

"ہوں شاید!" وہ دھیمے سے انداز میں مسکرائی۔

"ویسے ماما پاپا کی شکل میں مجھے جو معتبر بزرگ ہستیاں ملی ہیں' ان کی سنگت میں کبھی بھی مجھے پرانے دور کی یاد زیادہ تنگ نہیں کرے گی۔"

"اور ان بزرگ ہستیوں کے اس اسمارٹ سپوت کے متعلق کیا خیال ہے؟" وہ یکدم اس کا چہرہ تھام کر شرارت سے پوچھنے لگا' اس کے انداز کی خوشی اس کی آنکھوں سے ہویدا جذبوں کی تپش کو محسوس کرتے ہوئے وہ دھیمے سے انداز میں مسکرا دی۔

"آپ بے مثال ہیں۔"

"کہنے کے ساتھ ہی اس نے اس کے چوڑے فراغ سینے میں اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔ اور اعیان اس کے آسودہ سے انداز پر ایک اطمینان کا سانس خارج کرتے ہوئے مسکرا دیا تھا' زندگی نے اسے آزمائش میں ڈالا تھا وہ واقعی اس میں سے ثابت قدمی سے نکل آیا تھا' اور اب چار سُو اطمینان و سکون رقصاں تھا' زندگی مسکرا رہی تھی۔